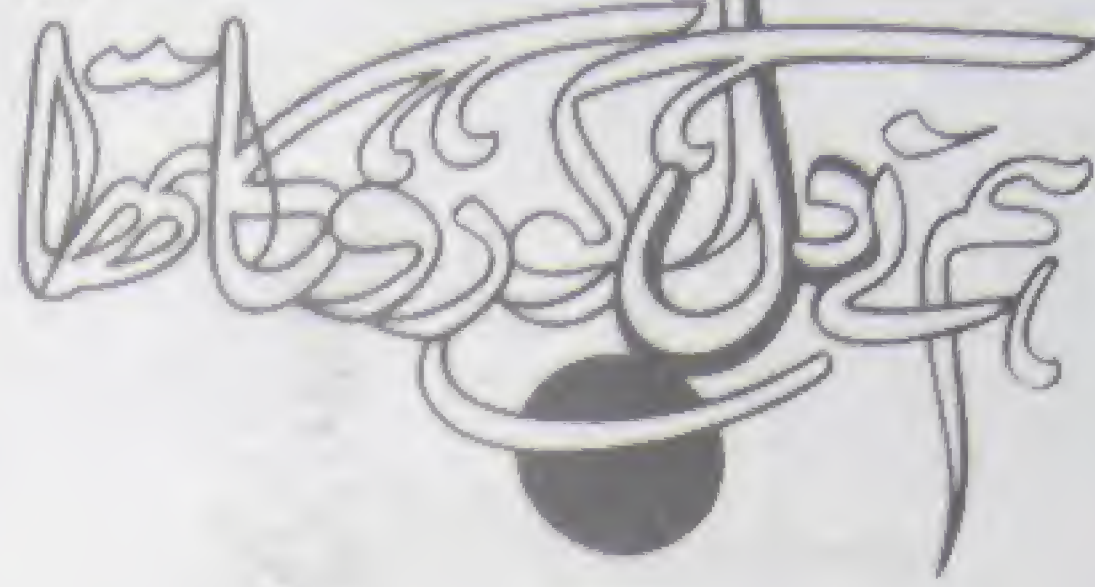


مَرِّمَ عَزِزَہ



دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی جیسے کسی نے انگلی سے بجایا ہو۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے وال کلاک کو دیکھا اور برا سامنہ بنا کر ایک بار پھر کبل منہ پر لے لیا۔ دھڑ دھڑ کی آواز پر اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔ اب دروازے کو بری طرح پیٹا جا رہا تھا۔ اس نے جھٹکے سے کبل کو خود سے الگ کیا۔

”کیا تکلیف ہے؟“ اس نے ڈھار کر پوچھا۔

”باجی! اب اٹھ جائیں، تالی جی غصہ کر رہی ہیں۔“
جیسے کی آواز پر اس نے بے اختیار دانت پیسے جمائی روک کر انگڑائی لی۔

”باجی!“ اس کی خاموشی پر باہر سے پھر پکار پڑی تھی۔

”میں نہیں گئی، غصہ ہوں۔“ اس نے ایک سنڈے کے دن بھی

سونا نصیب نہیں ہوتا۔“ اس نے اونچی آواز میں جواب دیا اور بڑبڑاتے ہوئے بستر چھوڑ دیا۔ ہاتھ روم میں جانے سے پہلے اس نے دروازے کو دیکھا۔ جانتی تھی تالی جی کی چچی ابھی بھی باہر کھڑی ہوگی۔ اس کے دروازہ کھولتے ہی بڑے خوشگوار انداز میں اسے مسکراہٹ سے نوازا گیا۔ وہ کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر خود ہی گھورنے کا سلسلہ موقوف کر کے ہاتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ کیونکہ ان گھوریوں کا وہاں کوئی اثر ہونے والا نہیں تھا۔ تو لیے سے منہ صاف کرتے ہوئے وہ بڑے کمرے میں داخل ہوئی۔ ابو کو وہاں موجود دیکھ کر اس نے مسکرا کر سلام کیا۔

”آج بڑی جلدی اٹھ گئیں۔“ انہوں نے مسکراتے

ہوئے گھڑی کو دیکھا جو نو بج رہی تھی۔

"انھی نہیں ہوں" اٹھائی گئی ہوں۔ "وہ کیلے تو لیے کو
دوسرے صوفے پر ڈال کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔ "وہ جو
ای نے جیب بانی جلاؤ میرے پیچھے لگایا ہوا ہے" اس کے
ہوتے ہوئے آپ توقع رکھتے ہیں کہ میں سکون کا سانس
لے سکوں گی۔ "وہ غصے سے بولی تب ہی کہیں سے جیب
نمودار ہوئی۔

"میرا کیا قصور ہے" اتنی جی نے کہا تھا۔

اس کی رونی صورت دیکھ کر اس نے کچھ بولنے کے لیے
منہ کھولا ہی تھا کہ جیب کے پیچھے ای کا چہرہ دیکھ کر منہ بند
کر لیا۔

"آسے کیا کہتی ہو" مجھ سے بات کرو۔ تمہیں پتا نہیں
اس کو بخار ہے پھر بھی وہ میرے ساتھ ہم میں گئی ہے۔
اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ جلدی اٹھ کر میں کا ہاتھ بنا دو۔ نو
بجے تک بستر توڑتی رہتی ہو۔"

"میرا بستر تو صحیح سلامت ہے۔" اس نے دھیمی آواز
میں پاس بیٹھے ابو کو اطلاع پہنچائی۔

"باپ کے ساتھ کیا کھسر پھسر کر رہی ہو" مجھ سے بات
کرو۔ "ای نے ماتھے پر ہل ڈال کر ان دونوں باپ بیٹی کو
گھورا۔

"اب اگر آپ نے مجھے ڈانٹ لیا ہو تو میں ناشتا
کر لوں؟" وہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی۔

"عیشہ! بالکل لے کر برآمدے میں آجانا۔"

"جی اچھا۔" وہ گنگناتے ہوئے مک میں دودھ ڈالنے
لگی۔

"یہ تولیہ یہاں کس نے رکھا۔ یا اللہ کیا کروں میں اس
لاڑکی کا۔" باہر سے آئی امی کی تیز آواز پر اس نے بے ساختہ
زبان دانتوں تلے دبا کر اپنے سر پر ہاتھ مارا تھا۔



اس نے سر اٹھا کر حد نظر پھیلے نیلے آسمان کو دیکھا جہاں
اکڑ کا نظر آتے سفید بادل نیلے آسمان کی خوبصورتی کو بربھا
رہے تھے لیکن موسم کی خوشگوار ہی بھی اس کی طبیعت کے
برخیز ہونے کو کہہ نہیں سکتی تھی۔ اس کے سر جھکا گئے ہوئے
ہاتھ میں پکڑے پانی کے بائیں کو چھوڑ دیا۔ بائیں سے نکلنے
والی پانی کی دھار تھیں ہی اسے کچن کو بلانے والی گھنٹی بج گئی۔

"عیشہ!" اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑکی کے پردے جھارے

ہوئے کھڑی ہوئی۔ اندر جانے سے پہلے غل بند کر کے
پانی سینٹا نہیں بھولی تھی۔

"کیا کر رہی ہو بیٹا؟"

"کچھ نہیں" بس گدوں میں پانی ڈال رہی تھی۔ "آپ باہر
ہو رہے ہیں؟" اس نے سولی ہوئی امی کو دیکھتے ہوئے
پوچھا۔

"کچھ کچھ۔" ان کے انداز پر وہ مسکرا کر کھڑی ہو گئی۔
"اب کہاں جا رہی ہو؟"

"رات کے لیے کچھ بنانے اور آپ کے لیے چائے بھی
لے آتی ہوں۔"

"اچھا سنو" وہاب کو بھی فون کر دینا۔ دو دن ہو گئے ہیں
آیا ہی نہیں۔"

وہ سر ہلا کر کچن میں آگئی۔

"وہاب کو فون کرتی ہے میری جوتی۔" اس نے بڑبڑاتے

ہوئے پریش کر کر کاڑھن زور سے بند کیا۔ اسی وقت باہر بجتی
ہوئی ٹیل پر اس کا غصہ مزید سوا ہو گیا۔ وہ جارحانہ انداز میں
دروازے کی طرف بڑھی۔ سوراخ سے جھانکنے پر صرف
بائیک نظر آئی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے اس کے
سوار کو پہچان لیا تھا۔ اس نے چہرے کے تاثرات کو مزید
سنجیدہ کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا اور ایک نظر اس پر ڈال
کر واپس مڑ گئی۔ چند لمحے بعد مسکراتے ہوئے وہ چائے
کے پانی میں مزید ایک کپ کا اضافہ کر رہی تھی۔ ساری
بیزاری یک دم اڑن چھو ہو گئی تھی۔

جب وہ چائے لے کر اندر آئی تو منظور صاحب ہنس
رہے تھے اور فرحت جو دوپہر سے جوڑوں کے درد سے
نڈھال لیٹی تھیں اب ہشاش بشاش بیٹھی تھیں اور یہ یقیناً
آنے والی ہستی کا کمال تھا۔ چائے رکھ کر وہ واپس کچن میں
آگئی۔ جانتی تھی وہ ضرور پیچھے آئے گا۔ کچھ دیر بعد چائے
کا کپ تھامے وہاب کو کچن میں داخل ہوتے دیکھ کر اس
نے رخ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"جیب نظر نہیں آ رہی؟" اسے مسلسل خاموش دیکھ
کر وہاب نے پوچھا۔

"اسے بخار تھا" سو رہی ہے۔"

"اسی لیے تم نے کچن کو رونق بخشی ہوئی ہے۔" وہ
مسکرا کر بولا۔ "چاچو سمجھ رہے تھے کہ میں تمہارے فون

کرنے پر آیا ہوں۔"

"ہاں وہ ابو نے کہا تھا پر مجھے یاد نہیں رہا۔"

"یاد نہیں رہا۔" عیشہ کے لاپرواہ انداز پر وہ تلملا کر

بولی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔

اپنے پیچھے چھایا مسلسل سکوت محسوس کر کے وہ پلٹنے پر مجبور ہو گئی۔ وہ بڑی سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا تمہیں واقعی میری غیر موجودگی محسوس نہیں ہوئی؟" عیشہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں عیشہ!"

"جھگڑا تم نے شروع کیا تھا۔"

"لیکن بات کو طول تم نے دیا تھا۔" وہ دہرہ دہرہ بولا۔

"میں نے طول دیا تھا؟" عیشہ نے غصے سے اپنی

طرف اشارہ کیا۔ "دو دن سے نہ آکر تم بات کو بربھار رہے

ہو۔"

"تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔"

"میں کیوں فون کرتی؟ ناراض تم ہوئے تھے میں نہیں۔ تمہارے نزدیک میری بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں

ہوتی۔"

"عیشہ اب تم زیادتی کر رہی ہو۔ کب میں نے تمہاری بات کو اہمیت نہیں دی لیکن بعض معاملات ایسے

ہیں جن میں مجھے کسی کی دخل اندازی پسند نہیں۔"

اس کے قطعی انداز پر عیشہ کی آنکھوں سے آنسو

جھلکنے لگا۔ "میں" کسی "نہیں ہوں وہاں! تمہاری سنگت

ہوں۔ تمہاری زندگی کے ہر معاملے سے میرا تعلق ہے

پھر میں کیا تمہیں کسی بات کا مشورہ نہیں دے سکتی۔"

"پلیز عیشہ! تم ہر بات کو دل پر کیوں لے لیتی ہو۔" وہ

جھنجھلا کر بولا۔

"کیونکہ جن سے محبت کی جائے وہ" کسی "نہیں

ہوتا۔ پہلے محبت ہوتی ہے پھر کچھ اور جبکہ تم" میں "سے

ہی باہر نہیں نکلتے۔"

اب بھی وہ خاموش رہی۔ اس نے اس کی بات الجھ

جانی ہے۔ سو فاریٹ ات۔ میں چاہتا

ہوں کہ میں تم سے مل سکوں۔" وہ جھکا کر گھبرا

سانس لیا۔

وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"اجنباب ناراض تو نہیں؟"

"تمہیں میری ناراضی کی پروا ہے؟"

"او میرے خدا!" وہاں نے اپنا سر پکڑ لیا تو وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی لیکن اس سے پہلے ہی وہ دروازے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

"پہلے بتاؤ ناراض تو نہیں؟"

"ہو وہاں! مجھے باہر جانا ہے۔" اس نے جھنجھلا کر اس کے لیے چوڑے وجود کو دیکھا۔

"پہلے بتاؤ۔" وہ اب بھی اپنی بات پر اڑا تھا۔

"ہمیشہ اپنی منواتے ہو، ہنو پیچھے۔ نہیں ہوں ناراض۔" وہ اسے دھکیل کر باہر نکل آئی۔

"جیب۔۔۔" عیشہ کی آواز پر اس نے بمشکل اپنی جلتی ہوئی آنکھیں کھولیں۔

"انٹو! تمہارا کھانا۔"

"باجی! میرا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے ہاتھ سے پلیٹ کو پیچھے دھکیلا۔

"دل نہیں چاہ رہا پھر بھی کھانا ہے۔" عیشہ نے اس کا بازو پکڑ کر زبردستی اسے اٹھایا تو اس نے برا سامنہ بنا کر پلیٹ

عیشہ کے ہاتھ سے لے لی۔

"تھک گئی ہیں۔" جیب نے اسے اپنا بازو دباتے دیکھ کر

پوچھا۔

"تھوڑا سا۔"

"آپ نے میرے لیے الگ سے کھانا کیوں بنایا؟" اس نے کچھڑی کا ایک چمچہ منہ میں ڈالنے سے پہلے عیشہ کو

دیکھا۔

"بھئی۔ اب بیمار بندے کو اتنا پروٹوکول تو دینا پڑتا

ہے۔" عیشہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہی لیٹ

گئی۔ یکدم جیب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیا ہوا جیب! طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے؟"

اسے روٹا دیکھ کر وہ ایک دم اٹھ گئی اور پریشانی سے اس کے

ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"باجی! میری وجہ سے آپ یونیورسٹی بھی نہیں

بار ہیں۔ میں باقی ہوں، آپ کو اتنا کام کرنے کی عادی نہیں لیکن آپ صبح سے کام کر رہی ہیں۔" حبیب نے جھکی نظروں سے اپنے دائیں طرف بڑھی عیشہ کو دیکھا۔ "صبح سے مجھے اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ میری اتنی اوقات نہیں کہ آپ میرے لیے بار بار کھانا لے کر آئیں۔ میں تو پہلے ہی آپ پر بوجھ ہوں۔"

عیشہ کوئی جواب دیے بغیر کھڑی ہو گئی۔ حبیب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"بائی بائی۔"

"ٹھٹ اپ حبیب! عیشہ نے درشتی سے اس کی بات کائی۔ "لگتا ہے بخار تمہارے دماغ کو چڑھ گیا ہے، اس لیے اول فول بک رہی ہو۔ میرے آنے تک تمہاری پلیٹ خالی ہونا چاہیے۔ میں تمہارے لیے دودھ لاتی ہوں۔"

اسے مسلسل روٹا دیکھ کر اس نے اپنے لمبے کو مزید سخت کر لیا۔ کچن میں آکر وہ بے اختیار حبیب کے متعلق سوچنے لگی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا وہ ان دنوں میسرک میں تھی۔ جب منظور صاحب حبیب کو لے کر آئے تھے۔ اس کے ماں باپ اور بھائی کو کسی خاندانی تنازعہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔ صرف وہی بچی تھی اور کوئی بھی اس یتیم کی سرپرستی کو تیار نہیں تھا۔ حبیب کے والد منظور صاحب کے کزن تھے۔ وہ صرف تعزیت کے لیے گئے تھے لیکن حبیب کی قابل رحم حالت دیکھ کر اسے اپنے ساتھ لے آئے۔

"عیشہ! تم ہمیشہ کہتی تھیں تاکہ تمہارا کوئی بھائی یا بہن نہیں۔ دیکھو میں تمہاری بہن لے کر آیا ہوں۔" منظور صاحب کی چٹکتی ہوئی آواز پر اس نے ان کے پہلو میں کھڑی خود سے چار سال چھوٹی اس لڑکی کو دیکھا جو سہمی ہوئی نظروں سے کبھی فرحت کو اور کبھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے مسکراتے پردہ سہمی ہوئی نظریں اس کے چہرے پر تل گئیں۔ عیشہ نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگایا اور آج پانچ سال گزرنے کے بعد اسے صرف اتنا یاد تھا کہ حبیب اس کی بہن ہے۔

اس نے گہرا سانس لے کر ابلتے ہوئے دودھ کو دیکھا اور
UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا جہاں ایک بچی مسکراتی آنکھیں لے اس کی توجہ کی غلطی نہیں۔
"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" بچی نے عیشہ کے قریب اشارہ کیا۔

"شیوہ! اے ہٹ۔" عیشہ بے نیازی سے جواب دے کر پھر قلم پر قلم دوڑانے لگی۔

"میرا نام صومیہ ہے، صومیہ کیجیے۔ آپ کی کلاس نیلہ ہوں۔"

عیشہ کو ایک بار پھر قلم روٹنا پڑا۔ "میں عیشہ منظور ہوں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" صومیہ مسکراتی ہوئی۔

"سیم نو پو۔" مہو آتے جی کہتا پڑا۔

"در اصل ہم اسی سال اسلام آباد سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ کچھ دن پہلے میں نے یونیورسٹی جواہر کی تپ کوئی کلاس نہیں ہو رہی تھی۔ آج ایک ہفتے بعد آئی ہوں تو کافی لیکچرز مرس ہو گئے ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنے نوٹس دے سکتی ہیں؟"

عیشہ نے چونک کر اثبات میں سر ہلایا اور فائل سے نوٹس نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ وہ پہچان دیتے تھے اس پلیٹ کرتی رہی پھر عیشہ کو دیکھنے لگی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کیا آپ مجھے اس کے مین پوائنٹ سمجھا سکتی ہیں؟"

عیشہ نے بڑی مشکل سے کسی ناگوار تاثر کو چہرے پر آنے سے روکا۔

اور پھر شاعری کے اہم نکات سمجھاتے ہوئے اس نے اچانک اس کا چہرہ دیکھا جو بائیں ہتھیلی پر چہرہ نکالے بست اٹھناک سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"لگتا ہے آپ کو مزید سمجھنے کی ضرورت نہیں۔"

عیشہ کے چہرے پر اب شکنیں نمودار ہوئی تھیں۔ صومیہ نے گڑبڑا کر چیزیں سمجھتی عیشہ کو دیکھا۔

"عیشہ! آپ ناراض ہو گئی ہیں۔" صومیہ نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھاما جبکہ عیشہ اس کے فدا ہونے والے انداز پر حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کی کوئی دوست نہیں؟" اس کے بے تکے سوال پر عیشہ نے گہرا سانس لے کر سر نفی میں ہلایا۔

UrduPhoto.com

”کیوں؟“

”کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔“ وہ بے دھیانی سے بولی۔

”لیکن دوستی بہت اچھی چیز ہے۔ اس کا احساس میں آپ کو دلا سکتی ہوں۔ مجھ سے دوستی کریں گی؟“ اس نے اچانک ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ عیشہ نے ایک لمحے کو اس کا چہرہ دیکھا جہاں بہت نرم سا تاثر تھا۔

”یقین کرو، میں بہت اچھی دوست ثابت ہوں گی اور جب تک تم مجھ سے دوستی نہیں کر دیتی میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔“ وہ تکلف کی دیوار ایک سیکنڈ میں گرا کر صدمہ کاٹنے لگی تو عیشہ بے اختیار مسکرا دی۔

”ہاؤ سوٹ۔“ صومیہ نے بے اختیار اس کا کال پھجوا۔ اس کے انداز پر عیشہ جینپ کر مسکرا دی۔

”چلو، کلاس شروع ہونے والی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ اس کی آج تک کسی سے بہت گہری دوستی نہیں ہوئی تھی لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اسے یقین ہونے لگا تھا کہ دوستی جیسا رشتہ اور کہیں نہیں۔



”اتنی مروت بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی۔“ سامنے بیٹھے بچے کو گھورتے ہوئے اس نے خود سے کہا اور گہرا سانس لے کر سچے سچے کمرے کا آئینوں دفعہ جائزہ لینے لگی۔ یہ خوبصورت کمرہ ایک مشہور اسکول کا حصہ تھا اور وہ اس وقت پرنسپل کی سیٹ پر براجمان تھی اور اس سیٹ پر اسے بٹھانے کا سارا کریڈٹ منور انکل کو جاتا تھا جو اس کے ابو کے بیسٹ فرینڈ تھے۔ اسکول کو شروع ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا لیکن اچھی شہرت اور انتظام کی وجہ سے جلد ہی بہت مشہور ہو گیا تھا۔ آج کل ایڈمیشن کا سلسلہ چل رہا تھا اور انکل کا اپنے کسی رشتے دار کی ذہن کے سلسلے میں جانا ضروری تھا۔ اسٹاف پر انہیں زیادہ بھروسہ نہیں تھا اس لیے انہوں نے ایک دن کے لیے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔

اس وقت اس کا یہ چاہتا تھا کہ اس کے لیے اس کی خوشی گئی تھی لیکن اتنی تعداد میں بچوں نے بچے اور ان کی بلند بالا آوازیں سن کر اس کے دل کو جھٹکا تھا۔ وہ جانتے بوجھ لگتی تھی لیکن کل انکل کی پریشان صورت دیکھ کر اور کچھ اپنی ازلی مروت

کے ہاتھوں ”ہاں“ کر بیٹھی تھی۔ سوچا تھا کہ ان سب بچوں کو بڑھاتا ہے صرف نظریاتی رہتی ہے لیکن یہ سب اگر یہ ”نظم رکھنا“ جتنی اسے کافی بھاری پڑا تھا۔ چھپتے چار بچے سے وہ نگر نگر بھی انٹرویو لیتی مس ٹھہرتی کہ اور کبھی دس منٹ بعد بدلنے والے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ تنگ آنسو کھڑی ہو گئی۔

”مس ٹھہرتی میں ابھی آتی ہوں۔“ مس ٹھہرتی کے سر ہلانے پر وہ باہر آ گئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائ نے اس کے موڈ پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ وہ سیدھی لان میں گئے جموں کی طرف آ گئی۔ جموں کے بیچے کر اس نے ارد گرد نظر میں ڈالا کہ کسی کتے ہونے کا اطمینان کیا اور جمہ اراجمہ نے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سٹائڈ کی طرف آ گئی۔ تین اسٹیپ چڑھنے کے بعد وہ اپنی چمکانہ حرکت پر خود کو سرزنش کرتی ہوئی واپس آ گئی۔ اس نے کبچر میں جکڑے بالوں کو آزاد کیا تو اسٹیپ کٹنگ والے سلکی بال چہرے کے اطراف بکھر گئے۔ اس نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کر آنکھیں بند کر لیں اور فضا کی ٹھنڈک محسوس کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور امروہ کے درخت کے پاس کھڑی ہو کر اس کا جائزہ لینے لگی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے امروہ توڑنا چاہا لیکن وہ اس کی دسترس سے کافی دور تھا۔ اس نے اچک کر ہاتھ بڑھایا۔ دوسری کوشش پر اس کا پاؤں مڑا تھا اور وہ جھٹکے سے زمین

خواتین ڈائجسٹ

کے خوبصورت ناول شائع ہو گئے ہیں

”ستاروں کا آنگن“ نسیم سحر قریشی

قیمت 300/- روپے

”ڈھلے چاند دل کے پار“ ثمرہ بخاری

قیمت 300/- روپے

”اے وقت گواہی دے“ راحت جبین

قیمت 300/- روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 - اردو بازار کراچی -

بوس ہو گئی۔ اس کے بالوں نے چہرے کو ڈھانپ لیا تھا اس نے دوا نو بیٹھتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جو مٹی سے لٹھڑے ہوئے تھے۔ پھر ہاتھ بھاڑتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ کپڑوں کو بھاڑ کر اس نے سر اٹھایا تو سناکت رہ گئی۔ گیٹ کے پاس اسے کسی وجوہ کا گمان ہوا تھا۔ اس نے چہرے پر آنے والوں کو جلدی سے ہٹایا وہاں واقعی براؤن نوپس میں بوس ایک خوبصورت شخص مظلوم مسکراہٹ چہرے پر کیے اسے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ کافی دیر سے اس کے کرتب سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ خفت سے اس کا چہرہ سنخ پڑ گیا۔ وہ جینٹل سے مڑی۔ آفس کی طرف بھاگنے کے لیے انداز میں بڑھی۔

”مسئمتین اور کفنی دیر ہے؟“ اس نے اندر آتے ہی سوال کیا۔

”بس میم! ایک دو اور لوگ ہیں۔“
”ٹھیک ہے، آپ تھک گئی ہوں گی۔ میں دیکھتی
ہوں۔“

ساتھ بیٹھے بچے سے جلدی جلدی دو تین سوال پوچھ کر اس نے ایڈمیشن دے دیا اور بچے کی ماما جو بچے کی پرکار منس دیکھ کر ناامید ہو چکی تھیں کھل اٹھیں۔ وہ ”نیکسٹ“ کا کہہ کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی، جہاں اب جلن ہو رہی تھی۔ اندر داخل ہونے والے گول مشول بچے کو دیکھ کر وہ مسکرائی۔ اس کے ساتھ آنے والے شخص کو اس نے بیٹھنے کو کہا تھا۔

”آپ کا نام؟“ اس نے بڑے اشتیاق سے بچے کا چہرہ دیکھا۔

"شیردل۔" وہ بڑے فخر سے بولا تو وہ مسکرا کر اس شخص کی طرف مڑی۔

آپ ان کے فادر ہیں؟
جی نہیں ماموں۔

”مے آئی کم ان ہا۔“ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اجازت مانگنے والی شخصیت کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی اور اس کے مسکراتے لب پہنچ گئے۔ جبکہ سامنے بیٹھا شخص حیران ہو کر کھڑا ہوا۔

۱۴۴۴ قمری ۱۲۰۳ ہجری ۱۸۸۸ء کو مالٹا کے کھنڈے کے محفل نے
 دوسرے کی بات کو نظر انداز کر کے پھر حیرت زدہ ہی اجازت

UrduPhoto.com

”یہ میرا فریڈ ہے۔“ نیپ کے ماتھے نے آئے والے کا تعارف کروایا۔ اس نے مس نکمیں کو آواز دی جو اگلے لمحے ہی کمرے میں موجود تھیں۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے نیپ کی طرف اشارہ کیا۔ مس نکمیں کے ساتھوں کے دوران اس نے خود کو اپنا پورا اظہار کرنے کے لیے رجسٹر کھول لیا۔ کچھ دیر بعد اس نے درزیدہ نظموں سے سامنے ایلھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر چھوٹی مسکراہٹ تھی جس نے عیث کے چہرے کا رنگ بدل دیا۔

”جائیں مسکراہٹ کی بیماری ہے اس شخص کو۔“ اس نے منجھلا کر پھر نظموں رجسٹر کا زویر۔

”نہیل ہے، آپ بے منت کرتے ایڈیشن پارڑے
 لیں۔“ مرس تعلیم کے گھٹے پر اس نے سکون کا سانس لیا۔
 تاہم اس نے اس بار نظریں اٹھانے کی غلطی نہیں کی تھی۔
 منور انکل کے ذرا پیور نے اسے چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے
 آتے ہی وہ اٹیچہ کھڑی ہوئی۔

"ایکسکیوز می۔" اسے پیچھے آنے والی آواز پر اس کے قدم رک گئے لیکن پیچھے گھڑے شخص کو دیکھ کر اسے اپنے رکنے کا افسوس ہوا۔

”آپ اس اسکول کی پرنسپل ہیں؟“ چتا نہیں وہ واقعی پرنسپل کے نام سے لاعلم تھا یا..... بہرحال اس شخص کی طرح اس کی آواز بھی خوبصورت تھی۔ اس نے دل ہی دل میں اقرار کیا تھا۔

”پرنسپل کا نام منظور اور پس ہے۔“
”آپ...؟“ وہ مشتاق نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”میں کچھ نہیں ہوں۔“ وہ جواب دے کر تیزی سے آگے بڑھی۔ گیٹ سے نکلنے سے پہلے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ تھنجلاتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خود کو کوٹنے کے بعد اپنی حرکتیں یاد آنے پر وہ خود بھی مسکرا دی۔



”سچ عیشہ میں ساری رات سو نہیں سکی۔ جب تھوڑی دیر کے لیے آنکھ لگنے لگتی تھی نوٹس آنکھوں کے آگے لہرانے لگتے۔ میری وجہ سے بھائی بھی کشتی پر تک جاگتے رہے۔“

"تمہاری کیسی تیاری ہے۔" پندرہ منٹ نان اسٹاپ
ولنے کے بعد صوبہ کو اس کی تیاری کا خیال آیا۔

"بسبب آئی تھی تو قلعی ابھی نہیں لگ رہی تھی لیکن تمہاری حالت دیکھ کر لگتا ہے میری تیاری اچھی ہے۔" عیشہ نے اس کی گھبرائی ہوئی شکل سے نظریں ہٹا کر دوبارہ نوٹس پر دوڑانا شروع کر دیں۔

"ادمانی گاڑا" صومیہ کی چیخ پر وہ زور کرا چھل پڑی۔

"عیشہ! میری رول تمہارے لیے تو گھر پہنچی رہ گئی۔" صومیہ کی رندھی ہوئی آواز پر اس کا دل چاہا کوئی چیز اس کے سر پر دے مارے۔

"اب کیا کروں؟ ذرا نیور بھی چلا گیا ہو گا۔" وہ گھبرا کر کھڑی ہوئی تو عیشہ نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ پیر شروع ہونے میں ابھی چالیس منٹ تھے۔

"عیشہ پلیز! میرے ساتھ گھر چلو گی۔؟" صومیہ کے ہاتھی انداز پر وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"پلیز یار!" صومیہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔ رکشہ ایک عالی شان گھر کے آگے رکا تھا۔ انیس دیکھتے ہی گیٹ کپڑے گیٹ کھول دیا۔ وہ ٹرانس کی کیفیت میں چلتی ہوئی صومیہ کے پیچھے آئی جو بھاگ کر اندر چلی گئی تھی جبکہ وہ مبسوت ہو کر سامنے دور تک پھیلے لان کو دیکھنے لگی جس کے آخری سرے پر ایک آبشار سا بنا تھا، لیکن اس وقت اس میں سے پانی نہیں نکل رہا تھا۔ لان کے تین اطراف میں پھول ہی پھول لگے تھے۔ وہ بے اختیار لان کی طرف جانی روش پر چلنے لگی۔ ایسے لگ رہا تھا وہ کسی گلستان میں نکل آئی ہو۔ اس نے سر اٹھا کر اس پر شکوہ عمارت کو دیکھا۔ اگر یہ گھر ایک کنال میں بنا تھا تو یہ لان بھی کم و بیش ایک کنال پر ہی پھیلا تھا۔

"عیشہ! چلو مل گئی۔" صومیہ کی آواز پر وہ چونک کر ہوش میں آئی۔ اسے گیٹ کی طرف بھاگتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی اور پھر کتنے دن تک اس کا دماغ الجھا رہا۔ اب بھی اس کا ارادہ پڑھنے کا تھا لیکن اس وقت بھی وہ صومیہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس قدر امارت کے باوجود اس کے مزاج میں اتنی سادگی تھی کہ وہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہی تھی۔

صومیہ نے بات کرتے کرتے عیشہ کا چہرہ دیکھا۔ "کیا ہوا؟ پیچھے اچھا نہیں ہوا۔" وہ پریشانی سے عیشہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"نہیں! اچھا ہوا ہے۔"

"پھر تم اتنی چپ چپ کیوں ہو بلکہ میں اسے دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ تم اب بھی اچھی سی رہتی ہو۔" اس کے لبے میں فکر مندی محسوس کر کے وہ فوراً اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"صومیہ! تم نے مجھ سے دوستی کیوں کی تھی؟" آخر یہ سوال اس کی زبان پر آئی کیا جس نے تجھے پندرہ دنوں سے اسے بے چین کر رکھا تھا۔

"یہ سوال تمہیں ایک سال پہلے پوچھنا چاہیے تھا۔" صومیہ کے سنجیدہ انداز پر وہ ہنس پڑی۔

"میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں تمہیں مجھ میں کیا اچھا لگا تھا؟"

"انہی تعریف سنا چاہتی ہو۔؟" وہ کھٹکھٹا کر ہنس پڑی۔ "پہلی بار تمہارے چہرے نے انزیکٹ کیا پھر تمہاری بے نیازی، تمہارے بال، تمہاری آنکھیں۔"

"بس بس۔" عیشہ نے یک دم سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اسے ٹوک دیا۔

"اور یہ بھی۔" صومیہ نے ہنستے ہوئے اس کے گالوں پر پھیلے رنگ کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن آج یہ خیال تمہیں آیا کیوں۔؟" صومیہ کے انداز پر وہ ہنس پڑی۔

"بس ایسے ہی۔" وہ مطمئن ہو کر گراؤنڈ میں نظریں دوڑانے لگی۔

"بتا نہیں عیشہ! لیکن تم واقعی مجھے بہت اچھی لگی تھیں۔ میری اور دوستیں بھی ہیں، لیکن یہاں تمہیں دیکھ کر مجھ پر بس ایک ہی دھن سوار ہو گئی تھی۔ تم کو قریب سے جانتا ہے، اپنا بنانا ہے۔" اس کے لہجے پر عیشہ اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

گھٹے سیاہ بال، سیاہ بڑی بڑی آنکھیں، استواں ناک، خوبصورت ہونٹ، گندی چمک دار رنگت، لانا تھ۔ وہ خود بہت پرکشش تھی۔ شاید اسے احساس نہیں تھا۔ اسے غور سے دیکھتے ہوئے عیشہ کو احساس ہوا کہ اس نے ایسے ہی نقوش اس سے ملتا جلتا چہرہ کیسے اور بھی دیکھا ہے لیکن کم شہر کے باوجود اسے یاد نہ آسکا۔

شکر ہے یہ بوجھ بھی سرتے آتا۔ اب رزلٹ میں تو اس کا نام بھی تھا۔ اس کی کلاسز پچھلے ہی شروع ہو جائیں گی۔ سنا تھا اس دن سر اٹھان کا طویل پیر۔

”کبھی کبھی تم مجھے اتنی اچھی لگتی ہو کہ میں سوچتی ہوں۔ کاتس میں لڑکا ہوتی۔“ اس کے عاشقانہ انداز پر اس نے بے ساختہ اس کے کندھے پر مٹکا جڑا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”تم بہت حسن پرست ہو۔“ عیشہ بے ساختہ بولی تھی۔

”ہاں واقعی میں بہت حسن پرست ہوں۔ ہر خوبصورت چیز مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے اور جب تک اسے حاصل نہ کر لوں، مجھے چین نہیں ملتا یا یوں کہہ لو۔ حسن میری کمزوری ہے۔“ وہ برملا اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے لگی تو عیشہ مسکرا دی۔

”میری اس عادت پر بھائی اکثر ٹوکتے ہیں اور مئی۔ وہ تو ڈانٹتی ہیں لیکن پھر بھی میں اپنی عادت بدل نہیں پاتی۔“

”صومیہ! تم نے کبھی بتایا نہیں، تمہارے گھر میں کون کون ہے؟“

”تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔“ عیشہ شرمندہ ہو گئی۔

”اچھا اب ایسی شکل بنانے کی ضرورت نہیں۔“

”میرے گھر میں میں ہوں، مئی ہیں اور میرے بڑے بھائی اور میں اپنے بھائی اور مئی کی لاڈلی ہوں۔“ عیشہ مسکراتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

”چلو تمہارا ڈرائیور آلیا ہو گا اور ویسے بھی آج مجھے وہاں نے لینے آنا تھا۔“

”وہ تمہارا کزن ہے؟“ صومیہ نے اپنی چیزیں اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔“ اس دن تم پہلی بار ہمارے گھر آئیں لیکن میں تمہیں اندر بھی نہیں بلا سکی۔“ صومیہ کے لہجے میں افسوس تھا۔

”اس وقت اندر بلانے والے حالات بھی نہیں تھے۔“

”اچھا پھر آو گی۔“ صومیہ نے اشتیاق سے اس کا چہرہ دیکھا اس کا سر بے ساختہ نفی میں ہلا تھا۔

”میرا آنا تو بہت مشکل ہے۔ تم آؤ نا ہمارے گھر، تم جی ہمارے گھر نہیں آئیں۔“

”کیسے آتی، تم نے بلایا ہی نہیں، درنہ میں اڑ کر پہنچ رہی ہوں۔“ وہ باتیں کرتے ہوئے عیشہ کی طرف اشارہ کرتی ہوئی لگیں۔

”اچھا اب میں بلا رہی ہوں، ضرور آؤ نا، تمہارے کمرے وہاں کور کچ کر دے جلدی سے بولی اٹھی۔“

”یہ تمہارا کزن ہے۔“ صومیہ سامنے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے تیزی سے بائیک کی طرف بڑھی۔ بائیک کے پیچھے بیٹھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر گیسٹ کی طرف دیکھا۔ صومیہ اب بھی وہاں کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔



”صبح سے اس ریل نے اذاتفری مچا رکھی ہے۔ دوست آ رہی ہے یا صمد پاکستان آیا ہے۔“ فرحت چیزیں سمیٹتے ہوئے مسلسل بڑھا رہی تھیں، جبکہ منظور صاحب ہنس پڑے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ ان کی ہنسی کی وجہ پوچھتیں، حبیب نے کچن سے بھاڑ کا۔

”مائی جی! گا جڑ کا حلوہ بن گیا، آپ دیکھ لیں۔“

”وہ نیگم صاحبہ خود کہاں ہے اسی سے کہو، وہ خود بھی کچھ کر لے۔ عیشہ۔۔۔“ ساتھ ہی وہ اسے آوازیں دینے لگیں۔

”مائی جی! وہ نماز ہی ہیں۔ آپ دیکھ لیں۔“ حبیب غراپ سے پھر اندر غائب ہو گئی۔ منظور صاحب نے اذاتفری کے منظر سے نظریں ہٹا کر اخبار پر جمائیں لیکن باہر سے آتی وہاب کی بائیک کی آواز سن کر انہیں اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ کچھ دیر بعد وہ دو شاپرز اٹھائے اندر داخل ہوا۔

”چچی جان! یہ بیکری کا سامان۔“ اس نے شاپر زڈاننگ ٹیبل پر رکھے اور خود بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

”بھائی کے لیے پانی لاؤ حبیب۔“ اسے تھکا ہوا دیکھ کر فرحت نے حبیب کو آواز دی۔

”تھینکس گاڈ! تم آگئے، ورنہ میں سمجھ رہی تھی تم بھول گئے ہو۔“ تب ہی وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور شاپرز کھول کر دیکھنے لگی۔

”یہاں سب تمہارے نوکر بیٹھے ہیں نا۔ صبح سے حبیب کچن میں لگی ہوئی ہے اور اس بچے کو کچھی صبح سے دوڑا رکھا ہے۔ ماں سارے گھر کو صاف کر رہی پھر رہی ہے۔ اتنی ہی دی آئی پی شخصیت تھی تو گھر میں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ دنیا سے زالی دوستی کی ہے محترمہ نے۔“ فرحت صبح سے کام کرنے کی وجہ سے کافی خنجر پی ہو رہی تھیں۔

”ای! وہ پہلی بار ہمارے گھر آ رہی ہے۔“ وہ چیزیں شاپرز سے نکالتے ہوئے بولی۔

"بیٹا! ٹھیک ہے، وہ پہلی بار آ رہی ہے لیکن تم ضرورت سے زیادہ کا تنہس ہو رہی ہو۔" منظور صاحب صبح سے اس کی ہڑونگہ دیکھ رہے تھے، سونو کے بنانہ رہ سکے۔

"ابو! اصل مجھے اندازہ نہیں تھا وہ اتنی امیر ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میں اس دن اس کے گھر گئی تھی۔" کتنی ہی بار کی دہرائی ہوئی بات وہ پھر سے دہرانے لگی تو انہوں نے بے ساختہ اس کی بات کالی۔

"یہ تم کب سے کسی کی لمارت سے امپریس ہونے لگی ہو۔؟" ان کے لمبے میں ناگواری جھلکنے لگی۔

"چاچو! جیسے اچھے اچھوں کا ایمان بدل دیتا ہے۔ ان کے تو پھر صرف خیالات بدلے ہیں۔" وہاب کی مسکراتی ہوئی آواز پر وہ تلملا کر پلٹی۔

"ایکسکیوزی! میرا ایمان اتنا کمزور نہیں زندگی میں پہلی بار میری کوئی دوست آ رہی ہے تو سب کو مصیبت پہنچنی ہے۔" اس کا سوز خراب ہو گیا۔

"لاڈلی کے مزاج ہی نہیں ملتے۔" فرحت سر جھٹکتے ہوئے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"ایسی بات نہیں عیشہ! بس تم ضرورت سے زیادہ اس بات کو سر پر سوار کر رہی ہو۔ تم تو اس کی اتنی تعریفیں کرتی ہو تو کیا اسے اپنی امیری پر ناز ہے۔؟"

"نہیں ابو! وہ تو بہت اچھی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔" وہ جلدی سے بولی۔

"تو بس پھر اس نے دوستی تم سے کی ہے تمہارے گھر سے نہیں۔ اگر وہ امیر ہے تو اس کی قسمت اور اللہ کا شکر ہے ہم لاکھوں نہیں تو ہزاروں سے بہتر ہیں۔" منظور صاحب کے انداز پر وہ مطمئن ہو کر مسکرا دی۔

"جاؤ حبیب! تم بھی کپڑے بدل لو۔" اس نے سلاہ کی پلیٹ اپنے آگے سر کا کر چھری اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"چائے پیو گے۔" وہاب کو اندر آنا دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"پلاؤ گی تو پی لیں گے۔" اس کے انداز پر وہ مسکراتے ہوئے چائے کپ میں ڈالنے لگی۔ پھر کرسٹل کی پلیٹیں

شائع پر رکھتے ہوئے اس کی نظر وہاب پر پڑی جو کاؤنٹر سے رینگ لگا کر بڑی ڈیڑھی لپکے لپکے ہوئے ہوئے نظر آ رہا تھا۔ وہ دوبارہ

کیبنٹ کی طرف مڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی نظروں کے

لگاؤ نکلا۔ وہ جھپٹ کر دو پلیٹیں لے کر باہر نکلی۔

"اس مسئلہ ہے۔ جاؤ! پھر جا کر ابو کے پاس بیٹھو۔"

گہری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے مزید قریب آیا تو وہ سٹپنا کر رہ گئی۔ ساری بے نیازی ہوا ہو گئی۔ اس کے چہرے کے بدلنے رنگوں کو دیکھ کر وہ ہنستا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

"آج بہت بری لگ رہی ہو۔" عیشہ نے اس کی طرف دیکھا۔ نظریں اٹھائیں جس کے لفظوں کے برعکس آنکھیں کچھ اور ہی کھ رہی تھیں۔ وہ سنہل کر مسکرا دی۔

"جانتی ہوں۔" عیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند تو کرتے تھے لیکن اس کا اظہار کرنا دونوں کو ہی اپنی شان کے خلاف لگتا تھا۔

"بال باندھ لو۔" وہاب کی آواز پر وہ مسکراتے ہوئے پلٹی۔

"کیوں؟"

"چیز مل لگ رہی ہو۔"

"اسی لیے مسلسل گھورے جا رہے ہو۔"

"کیا کروں مجبوری ہے۔ اب اگر میں بھی ڈر گیا تو تم سے شادی کون کرے گا۔"

"واقعی؟ تم تو دنیا میں آخری انسان رہ گئے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی پھر کچھ سوچ کر اس کا چہرہ دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ اسے لگایہ بات کرنے کا مناسب موقع ہے۔

"جواب کا کیا بنا؟"

"کچھ نہیں۔ ایک دو جگہ سی دی بھیجوائی ہے اب دیکھو۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"وہاب! وہ والی جاب تمہیں چھوڑنی نہیں چاہیے تھی۔ اتنی مشکل سے تو ملی تھی۔"

"تو کیا کرتا؟ سات ہزار میں گھر نہیں چلتے۔"

"تم تھوڑا انتظار تو کر سکتے تھے۔ انسان نیچے سے سی اوپر

جاتا ہے۔"

"چھوڑو یا رابہ سب پرانی باتیں ہیں۔ میں اس طرح کی چھوٹی موٹی جاب نہیں کر سکتا۔ مجھے بہت است اور جانا ہے اور

میں جا کر رہوں گا۔ چاہے مجھے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔" اس کے پر عزم لمبے پر عیشہ کی آنکھوں میں

تشویش اتر آئی۔

"اس" کچھ بھی "سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"کوئی بھی شارت کٹ راستہ۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"چاہے، قتل یا ڈاکائی ہو؟"

"ہر سکتا ہے۔" عیشہ کے سوال پر وہ لاپرواہی سے ہوا
تو وہ کانپ کر رہ گئی۔

"وہ باب آتم دن پہ دن کیسے ہوتے جا رہے ہو۔ وہ بے کی
ہوس بہت بری ہوتی ہے۔ مجھے دولت کی چاہ نہیں ہے ہم
دونوں کم میں بھی بہت اچھا گزارا کرتے ہیں۔"

"کیسی بچوں جیسی باتیں کرتی ہو۔ دولت کی چاہ کے
نہیں ہوتی۔ چلو تمہیں نہیں مان لیا لیکن مجھے ہے۔ ان
سات ہزار میں میرا تمہارا گزارا ہو سکتا ہے۔ امی پاپا کو بھی
نکال دو۔ پاپا کی پشن کافی ہے لیکن کل کو جب ہماری فیملی
بڑھے گی ان کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی؟ میں اپنے
بچوں کو زندگی کی ہر سہولت دینا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ تیز
ہو چکا تھا۔

"خوشی دولت کی محتاج نہیں ہوتی۔ محبت اور اتفاق ہونا
چاہیے۔" وہ رسانیٹ سے بولی تو وہ چپ چاپ جوتے کی ٹو
کو فرش پر مارنے لگا۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ مزید گویا
ہوئی۔

"یہ بات میں تمہیں پہلے بھی اتنی بار کہہ چکی ہوں
تمہاری یہ باتیں لے ڈوبیں گی ہمیں تمہیں۔ جیسی بھی
جاہ ملتی ہے کر لو اور پلیز۔۔۔ اپنے آوارہ دوستوں کو چھوڑ
دو۔"

"کیا کیا چھوڑ دوں۔ مجھ سے سات ہزار کے لیے نائن ٹو
فائیو جاہ نہیں ہوتی جو چیز میرے مزاج میں نہیں وہ میں
کیوں کروں۔"

"میری خاطر کیا تمہارے نزدیک میری اتنی بھی اہمیت
نہیں۔؟"

"عیشہ! مجھے کبھی کبھی تم سمجھ میں نہیں آتیں۔ اچھی
خاصی سمجھ دار ہو لیکن محبت کے معاملے میں تمہاری سوچ
اتنی بچکانہ کیوں ہے۔ محبت کی جس شدت کی تم متقاضی
ہو وہ اب صرف افسانوی باتیں بن کر رہ گئی ہیں۔ آج کے
دور میں کوئی لیبلی مجنوں نہیں ہوتے۔ لی پر یکینکل۔
چاہے کیسا ہی رشتہ ہو کوئی کسی کی خاطر اور خاص طور پر
محبت کی وجہ سے خود کو نہیں بدلتا۔" اس کے تلخ انداز پر وہ
بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اس لیے کہ تمہاری وہ ساری باتیں پہلے ہی کہی گئی تھیں اس
موضوع پر بحث حاصل ہے اور میں جو بھی کروں گا
تمہارے لیے کرے گا۔ لیکن تمہاری یہ باتیں کہ تمہارے دوستوں
سے مڑی اور باہر نکل گئی لیکن باہر سے آئی صومیہ کی آواز

پر وہ بے ساختہ ہلٹی اور گہرا سانس لے کر خود کو اس کے
استقبال کے لیے تیار کرنے لگی۔



"بب! ست سنا ہے رزلٹ آ رہا ہے! میٹی تو جھوٹ سی
ختم ہو گئی ہے۔" صومیہ کی دہائی پر عیشہ نے حیرت سے
تیسرا سوس لٹائی صومیہ کو دیکھا۔

"یہ رزلٹ اتنی جلدی کیوں آ رہا ہے۔؟"
"مختصر! اجلدی کہاں آ رہا ہے اب تو فائنل کے پیچے
ہونے والے ہیں۔" عیشہ نے اس کی معلومات میں
اضافہ کیا۔

"خیر چھوڑو یہ پتاؤ! انگل آئی کیسے ہیں۔؟"
"لھیک ہیں تمہیں یاد کرتے ہیں اور جیبیہ روز تمہارا
پوچھتی ہے۔"

"ہوں۔" اس نے مسکرا کر پیٹ میں پڑا آخری سوس
بھی اٹھالیا۔ "تم نے پہلے کبھی بتایا ہی نہیں انگل پیر الائنز
آئی مین۔۔۔" اس کو جھجکا دیکھ کر وہ خودی بول پڑی۔

"جب میں اینٹا۔۔۔ میں تھی تو ابو کا ایک سیڈنٹ ہوا
تھا۔ اس میں وہ اتنی ایک ٹانگ سے محروم ہو گئے تھے جبکہ
دوسری ٹانگ بھی زیادہ کام نہیں کرتی۔"

"اوہ۔۔۔" صومیہ نے افسوس کا اظہار کیا۔ "تم لوگوں کا
سورس آف انکم کیا ہے؟"

"ابو پہلے بینک میں تھے اس لیے تو پشن ملتی ہے۔ اس
کے علاوہ وہ دوکانیں ہیں جن کا کرایہ آتا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ ویسے تمہارے گھر آکر میرا دل خوش ہو گیا۔
کافی مقدار میں حسن پایا جاتا ہے لیکن ایک بات میں نے
نوٹ کی۔ جیبیہ تمہاری بہن کافی مختلف ہے تم سب سے۔
اور وہ آنٹی کو تائی جی کہہ رہی تھی۔" صومیہ کی حیرت پر وہ
کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"دراصل جیبیہ ابو کے کزن کی بیٹی ہے۔"
"لیکن تم تو ہمیشہ اس کا ایسے ذکر کرتی ہو جیسے وہ تمہاری
سگی بہن ہو۔" صومیہ اب بھی حیران تھی۔

"ہاں کیونکہ میں اسے اپنی سگی بہن ہی سمجھتی ہوں۔"
عیشہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی اپنائیت پر وہ
متاثر ہونے والے انداز میں سر ہلانے لگی۔

"اور وہ تمہارا الزن وہ بھی بہت ہینڈ سم ہے۔"
"وہ تو ہے۔" اس نے وہاب کی تعریف بڑے حق سے

وصول کی۔

”اور۔۔۔“ عیشہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔



”اؤ میں سیب کات دوں۔“ صومیہ نے حبیبہ کے ہاتھ سے چھری لی تو وہ گھبرا گئی۔

”نہیں بابی! آپ چھوڑ دیں۔“

”ارے میں صحیح طرح کاتوں گی۔“

”بیٹا! تم یہاں کیوں کھڑی ہو! باہر جا کر بیٹھو۔“ فرحت نے اسے کچن میں کھڑے دیکھ کر کہا۔

”آئی! مجھے کچن میں مڑنا ہے۔ میں مسمان تھوڑی ہوں۔ ہفتے میں چار دن یہیں پائی جاتی ہوں اس لیے اب مجھے آپ گھر کا فرد سمجھیں۔“ صومیہ نے حبیبہ کے سر پر چپت لگائی تو اس نے مسکرا کر چھری اسے تھما دی۔ وہ حبیبہ کے ساتھ نیچے بیٹری پر بیٹھ گئی۔

”کچھ اپنی دوست سے سیکھو۔“ عیشہ کو اندر آتا دیکھ کر فرحت نے اسے گھورا۔

”کتنی ذمہ دار بچی ہے اور ایک تم ہو! صبح دودھ دیکھنے کا کہہ کر گئی! واپس آئی تو دودھ ابل چکا تھا اور مختصر رسالہ پڑھ رہی تھیں۔“

”ای! آپ کو تو بس موقع چاہیے۔“ وہ گئے ہوئے امروہ اٹھا کر کھانے لگی۔

”کوئی بات نہیں! اتنا تو چلتا ہی ہے۔“ صومیہ کے لاپرواہ انداز پر وہ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی۔ منہ دھو کر باہر نکلی تو دبا ب صوفے پر نیم دراز تھا۔

”تم کب آئے؟“ وہ خوشگوار حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”ابھی آیا ہوں۔ یہ تمہاری دوست کو اور کوئی کام نہیں! جب دیکھو یہیں پائی جاتی ہے۔“ وہ بیزار سی سے بولا تو وہ مسکرا دی۔

”امی ابو کے ساتھ کافی کھل مل گئی ہے۔ آج امی نے فون کر کے بلایا تھا۔“ وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

”کیا بات ہے پریشان ہو؟“ وہ اس کے سامنے بند پر بیٹھ گئی۔

”جواب کی وجہ سے تھوڑی بہت نینش تو ہے۔“ وہ بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے بیزار سی سے بولا اور پھر کچھ یاد آنے پر اپنے پیچھے سے کچھ اٹھایا۔

”اچھا! اٹھو! کلاس میں چلتے ہیں۔ پتا ہے ٹائیسٹ ہے۔“ عیشہ کے کہنے پر وہ کرسی پر مزید ایزی ہو کر بیٹھ گئی۔

”یارا میری تیاری نہیں۔“ عیشہ نے غور سے اس کا اتر اہوا چہرہ دیکھا۔

”طبیعت ٹھیک ہے؟“

”ہاں! میری تو ٹھیک ہے لیکن بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی! اس لیے میں ساری رات نہیں سو سکی۔“ صومیہ نے آنکھوں کو مسلاتے عیشہ مسکرا دی۔ اس نے اکثر محسوس کیا تھا کہ صومیہ اپنے بھائی سے بہت پیار کرتی ہے۔ اس کی ہر بات میں اس کے بھائی کا ذکر ضرور ہوتا تھا۔ ”تم اپنے بھائی سے بہت پیار کرتی ہو۔؟“ صومیہ نے جب نظریں اٹھائیں تو ان میں سرخ زورے نمایاں ہو رہے تھے۔

”بہت بہت زیادہ۔ میری جان تو ان میں بسی ہے۔ اگر انہیں ذرا بھی تکلیف ہوتی ہے تو مجھے ان سے زیادہ ہوتی ہے۔“ اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ ”وہ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں کہ اگر پایا ہوتے تو شاید وہ بھی اتنا نہ کرتے۔ جب پایا کی ڈیوٹ ہوئی تھی تو میں بہت چھوٹی تھی! سیونٹھ کلاس میں۔ بھائی ان دنوں امریکہ میں اپنا گریجویٹیشن کر رہے تھے۔ وہ واپس آگئے لیکن ممی نے انہیں دوبارہ بھیج دیا پھر گریجویٹیشن کے بعد یہاں آکر انہوں نے ایم بی اے کیا۔ پایا کا بزنس سنبھالا! ہمیں سنبھالا۔ مجھے اور ممی کو وہ اتنا دلاسہ دیتے ہیں لیکن خود اپنی تکلیف کسی سے شیر نہیں کرتے۔ انہیں بھی تو کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہوگی لیکن انہوں نے کبھی ہم پر ظاہر نہیں کیا۔“ صومیہ سر جھکا کر اپنی ہتھیلی دیکھنے لگی۔ ”بس میں چاہتی ہوں! انہیں ایسی بیوی ملے جو ان کی تنہائیوں کو بانٹ لے۔ ان سے بے حد پیار کرے۔“ صومیہ کی آنکھوں سے ایک قطرہ نکل کر گال پر ٹکیر پڑا تو اس کی ہتھیلی پر ٹھہر گیا۔ عیشہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ آج سے پہلے اس نے صومیہ کو اتنا سنجیدہ اور افسردہ نہیں دیکھا تھا! صومیہ نے ہتھیلی نظروں سے اس کا پریشان چہرہ دیکھا تو اس نے اپنے

آنسو صاف کیے۔

پتھر زد یارا میں جو انوارا موسسل ہوئی۔ چلو اور

”تمہارے پاس ہونے کا گفٹ تھوڑا لیٹ ہے لیکن.....!“ اس کی چشمیں نظریں دیکھ کر وہ مسکرا کر چپ ہو گیا۔

”تم نے مجھے دس کرڈیل میرے لیے کافی تھا۔ اس فارمیسی کی کیا ضرورت تھی۔“

”تھی تو اور پھر کوئی اتنا مزگا گفٹ بھی نہیں۔“

”وہاب! تم باز نہ آنا میرے لیے یہی بہت قیمتی ہے۔“

اس نے پہلے افسوس سے وہاب کو دیکھا اور پھر ریووم کا ڈھکن کھول کر اس کی خوشبو سونگھنے لگی۔

”عیشہ.....“ وہاب کے پکارنے پر اس نے نظریں اٹھائیں۔

”بھئی کبھی تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔“ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا، تب ہی دروازہ دھڑ سے کھلا تھا۔ ان دونوں نے ایک ساتھ دروازے کو دیکھا، جہاں صومیہ کھڑی تھی۔

”ہیلو۔“ صومیہ نے مسکرا کر وہاب کو دیکھا۔ عیشہ نے جلدی سے وہاب کا چہرہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری بہت واضح تھی۔

”سوری۔“ صومیہ جلدی سے پلٹ گئی جبکہ کچھ کہنے کی کوشش میں وہ سوچتی رہ گئی۔

”اسے تمیز نہیں ہے۔“ وہاب غصے سے بولا۔

”وہاب! تمہیں ایسے بی ہو نہیں کرنا چاہیے تھا اسے برا لگا ہو گا۔“

”تو میں کیا کروں۔“ وہ بے رخی سے بولا تو وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔

”لگتا ہے وہاب کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگتا۔“ وہ چائے کا کپ صومیہ کے سامنے رکھ رہی تھی، جب اس نے اسے کہتے سنا تھا۔

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ بس وہ اپنی جاب کی وجہ سے شیش میں تھا۔“

”میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔“ ایک منٹ کے وقفے کے بعد وہ بولی۔

”کسے؟“ عیشہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”اگر وہ اپنے چھوٹے بھائی کو بلاوے گی تو وہ اس کے بلانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔“ وہاب نے اسے سنا کر

”اگر وہ اس کا سوال اس کی سہیلی کے پاس کرے تو وہ اس کی سہیلی کے پاس سے اسے بلانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔“ وہاب نے اسے سنا کر

عیشہ نے ناامیدی سے سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے، آپ کل آفاق ٹریڈنگ چلے جائیں، آپ کے حسب منشا جاب مل جائے گی۔“

وہاب کے ساتھ عیشہ نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

”آپ جانتی ہیں آفاق ٹریڈنگ میں جاب ملنا کتنا مشکل ہے؟“ وہاب کو اس کا دماغ کھرا کا ہوا لگا۔

”جانتی ہوں لیکن آپ کو وہاں جاب مل جائے گی کیونکہ آفاق ٹریڈنگ میرے بھائی کی ہے۔“ وہاب نے شاک کی کیفیت سے نکلنے کے بعد عیشہ کو دیکھا اور پھر صومیہ کو جبکہ عیشہ کو صومیہ کی امارت پر پہلے ہی کوئی شک نہیں تھا۔

”لیکن ان کی کچھ رکوائز منٹ تو ہوں گی۔“ اس بار وہاب کا لہجہ بہت نرم تھا۔

”اس کو آپ رہنے دیں، میں بھائی کو کہہ دوں گی۔ آپ اپنی سی وی ضرور لے جائیے گا۔ جسٹ فارمیسی۔“ وہ گندھے اچکا کر بولی۔

”نہینکس صومیہ!“

”ڈونٹ لی سلی عیشہ!“ صومیہ نے اسے گھر کا تو وہ مسکراتے ہوئے کچن میں آگئی۔ جب وہ واپس آئی تو وہاب بہت خوشگوار موڈ میں صومیہ سے باتیں کر رہا تھا، اس نے سکون کا سانس لیا۔

”بس باجی! اب میں مزید نہیں چل سکتی۔“ عیشہ نے حیرت سے پیچھے دیکھا، جہاں حبیب دیوار سے ٹیک لگائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

”ابھی تھوڑی سی شاپنگ کی ہے اور تم ہانپنے لگی ہو۔ مجھے ابھی وہاب کے لیے شرٹ بھی خریدنی ہے۔“ وہ سامنے والی دکان کے گلاس ڈور سے نظر آتی شلوار قمیص کا جائزہ لینے لگی۔

”مجھے تو آپ معاف رکھیں۔ سارا شاپنگ سینٹر چھان مارا مگر آپ کو کوئی شرٹ ہی نہیں بھاڑی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ آپ وہاب بھائی کے ساتھ آجائیں۔“ حبیب کے کہنے پر اس نے افسوس سے سر ہلایا۔

”سوچا تو یہی تھا، رجب سے جناب جاب پر جا رہے ہیں، زیادہ ہی بڑی ہو گئے ہیں۔ ٹائم ہی نہیں ہے۔“ وہ اس کے لیے کی اصل اتارتے ہوئے بولی تو حبیب مسکرائے لگی۔

مختلف توجہات دے کر وہ دل کو دلاسہ دینے کی کوشش کرتی رہی۔

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ صومیہ اس کی دوست ہے اور وہاب... وہ اس کے بچپن کا ساتھی، اس کا منگیترا۔ نہیں نہیں وہ دونوں ہی ایسا نہیں کر سکتے۔“ گھر آتے ہی اس نے وہاب کا سیل فون زرائی کیا۔ تین بیلز کے بعد فون آف ہو گیا اور وہ بالکل ساکت رہ گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ ڈائل کیا، فون آف تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ری ڈائل دہاتی رہی اور ایک گھنٹے بعد جب اس نے فون ریسپور کیا تو اس کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے، تم آرہے ہو یا میں آجاؤں۔“ وہ چھوٹتے ہی بولی۔

”میں اس وقت بہت بزدلی ہوں، نہیں آسکتا۔ اور تمہیں بھی آنے کی ضرورت نہیں۔“

”کیوں مجھے فیس کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔“ وہ ترخ کر بولی۔

”جو تمہاری مرضی وہ سمجھ سکتی ہو۔“ اس کی بے نیازی پر وہ کھول کر رہ گئی۔

”لیکن میرا تم سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔ کیا بات تم جانتے ہو۔“ وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

”کیا سننا چاہتی ہو سچ سچ تو پھر وہی ہے جو تم نے دیکھا۔ میں اور صومیہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔“ قیامت ٹوٹا کہا لفظ ہوتا ہے وہ اس کیفیت کو اس پل محسوس کر رہی تھی۔ کہیں کوئی امید تھی کہ وہ تردید کر دے گا جو دیکھا وہ جھوٹ ہے، لیکن اس کی خاموشی پر دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ وہ کتنی دیر تک خالی خالی نظروں سے ریسپور کو دیکھتی رہی۔



صومیہ کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی جو اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

”صومیہ رکو۔“ وہ گہرا سانس لے کر رک گئی۔

”کب سے مل رہی ہو وہاب سے۔“ عیشہ نے جلتی ہوئی آنکھوں سے اس پر نگاہیں ڈالی۔

”بچھلے تین ماہ سے۔“ وہ بغیر کسی لحاظ کے گویا ہوئی۔

”ایسا بڑا دھوکا صومیہ وہ بھی دوستی کے نام پر تم کے وہاب کی روج سے مجھ سے دوستی کی تھی۔“ اس کے انداز پر ایشا بے

بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

”میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا اور نہ ہی وہاب کی وجہ سے تم سے دوستی کی تھی۔“ وہ اطمینان سے بولی۔

”یہ جاننے کے باوجود کہ وہاب میرا منگیترا ہے تم اس کی طرف بڑھیں۔“

”ایک منٹ۔“ صومیہ نے انگلی اٹھا کر اسے روکا۔

”پلے اپنے جملے کی تصحیح کر لو۔ تمہاری صرف بات طے ہوئی تھی منگنی نہیں ہوئی تھی۔ کیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے؟“ اس نے عیشہ کا بایاں ہاتھ اٹھا کر اس کی آنکھوں کے ساتھ لایا۔

”کوئی انگوتھی!۔“ اس کے تمسخرانہ انداز پر عیشہ کے ہونٹ بھنج گئے۔

”تم جانتی ہو حسن میری کمزوری ہے۔ وہاب نے پہلی نظر میں ہی مجھے متاثر کیا تھا، میں نے اس کی طرف محض دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ لیکن کچھ عرصے بعد میں نے محسوس کیا کہ میں اس کے لیے دوستی سے کچھ زیادہ محسوس کر رہی ہوں، میرا خیال تھا مجھے وہاب کو حاصل کرنے کے لیے کافی ریشائی ہوگی۔ کیونکہ تمہیں چھوڑنا اس کے لیے مشکل ہوگا۔ لیکن افسوس۔“ وہ مسکرائی تو عیشہ کی آنکھوں میں مچھلی سی لگنے لگیں۔

”اس نے میرے لیے تمہیں چھوڑ دیا، یہ تو قسمت ہے نا۔“ وہ مسکرائی تو عیشہ نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے ارد گرد گزرتے لڑکے اور لڑکیوں کو دیکھا اسے ہر چہ اپنا تمسخر اڑاتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے پلٹتے ہی ایشا جیسے ہوش میں آئی اس نے ایک دم اس کا بازو سختی سے تھام لیا۔

”لی ہیو یور سیلف عیشہ۔“ صومیہ نے غصے سے اپنا بازو جھٹکا۔

”تم جانتی ہو نا صومیہ! وہاب میرے لیے میرے گھر والوں کے لیے کہا ہے، پلیز صومیہ اسے واپس کر دو، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔“ اس نے سچ جچ ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

”پلیز عیشہ! وہاب کوئی چیز نہیں جسے میں واپس کر دوں وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہ مجھے چھوڑے گا۔ جب کہ وہ مجھے ریپوز بھی کر چکا ہے۔ بہتر ہوگا تم یہ درخواست اپنے کزن سے کر دو۔ شاید وہ کچھ کر سکے۔“ عیشہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے

اس چہرے سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ گھر جانے کی بجائے وہ سیدھی آیا ابو کے گھر آگئی۔ اندر داخل ہوتے وہاب نے حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھا اور نظریں چراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو وہاب! میرا تصور کیا ہے۔؟“ وہاب نے مز کر دیکھا وہ نم آنکھیں لیے دروازے پر ایستادہ تھی۔ وہ اخطرابی انداز میں سر ہل گیا۔

”عیشیا میں مزید اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، صومیہ تم سے بات کر چکی ہے۔“

”تمہیں بتا دیا اس نے۔“ وہ دکھ سے وہاب کو دیکھنے لگی جو نظریں چراتا رہا تھا۔

”اچانک ایسا کیا ہوا وہاب! جو تین ماہ کے تعلق کو تم اتنے سالوں کے تعلق پر ترجیح دے رہے ہو؟۔“

”اتنے سال کے تعلق کے باوجود میں نے تمہارے لیے وہ سب کچھ محسوس نہیں کیا جو میں ان چند ماہ میں صومیہ کے لیے محسوس کرنے لگا ہوں۔ تم نے مجھے کبھی محبت کا احساس نہیں دیا۔ جب کہ صومیہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور اس کا اظہار بھی۔ تمہیں میری ہریات سے اختلاف کرنا ضروری تھا۔ جب کہ وہ وہی کرتی ہے جو میں کہتا ہوں۔ وہ مجھے وہ سب دے سکتی ہے جو مجھے چاہیے تھا۔ دولت، محبت سب کچھ۔“ عیشہ کو سامنے کھڑا شخص انجی لگ رہا تھا۔

”تمہارے شارٹ میں یہ راست بھی شامل تھا مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا۔“

وہ دھیمی آواز میں بولی۔ ”میری مخلصانہ رائے تمہیں اختلاف لگا۔ میری حیا تمہیں سمجھو ناگا، میری بد قسمتی ہے لیکن پھر بھی وہاب! میں یہ تعلق نہیں توڑ سکتی۔ تم تو میرے اپنے ہو اگر تم نے مجھے چھوڑا تو میں ٹوٹ جاؤں گی۔“ وہ رونے لگی تھی۔ وہاب نے اس کا چہرہ دیکھا جو ایک رات میں حال سے بے حال ہو چکا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر کسی سوچ سے پیچھا چھڑایا۔

”رشتے دلوں کے ہوتے ہیں عیشہ اور میرا دل مجھے اس تعلق کو مزید قائم رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بہتر یہ ہے کہ مزید رشتوں کو خراب کرنے کے بغیر ہم الگ ہو جائیں۔“

وہاب نے سر جھٹکا اور اس شخص سے نمبر خماروں پر پھیلی کمی کو بے دردی سے صاف کیا۔

”اس پر مجھے وہاب

کی آواز سن کر وہ تلخی سے مسکرائی۔ "باہر نکلتے ہوئے اس کی نظر چائے کا کپ تھا جسے سفید چہرے لیے تالی ای پر پڑی وہ ان کے روکنے کے باوجود ہلکتی چلی گئی۔



"یہ بچوں کا کھیل تو نہیں ابھی ہم زندہ ہیں۔ منظور! تم فکر مت کرو۔ میں وہاب کا داغ درست کروں گا۔" تایا ابو اونچی آواز میں بول رہے تھے۔ جب کہ منظور صاحب سر جھکائے نڈھال بیٹھے تھے۔

"یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہوا" سلطان بھائی باساری برادری جانتی ہے کہ عیشہ کی بات وہاب سے ملے ہے اتنے سالوں سے یہ رشتہ نبھار رہے ہیں۔ پھر اب اچانک وہاب کو کیا ہوا۔ اسے سمجھا نہیں بھابھی! میری بیٹی کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔"

فرحت نے ایک بار پھر روپے میں منہ چھپا کر رونا شروع کر دیا۔ جیسے نے انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ جب کہ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

"تم فکر مت کرو فرحت! میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں تایا ابو! وہ صاف لفظوں میں مجھے اپنی مرضی بتا چکا ہے۔" وہ کافی دیر بعد بولی۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو" وہ تو منہ سے کچھ بولتا ہی نہیں۔" سلطان صاحب اس کی طرف مڑے تھے۔

"کوئی اور لڑکی پسند ہے اے۔" اس کے کہتے ہی فرحت کی سسکیاں مزید اونچی ہو گئیں۔

"اس کا سارا بھوت میں اتار دوں گا۔" تایا ابو کے پر یقین لہجے پر اس کی بھی ڈھارس بندھی لیکن اگلے کچھ دنوں تک چھائی خاموشی اور پھر نڈھال سے تایا ابو کی آمد اس کی ہر خوش فہمی کو ختم کر گئی تھی۔



پیپر ختم ہوئے تو حائفہ گزر چکا تھا لیکن وہ گھر جانے کی بجائے آؤنیورسٹی ہال کی میز چوڑیوں پر بیٹھی تھی۔ اس کا گھر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا جس کی دیواروں سے اب

لاؤنیورسٹی چھٹی تھی۔ اس نے اپنے ہال باب کے اندر اس

چہرے پہنکی آنکھیں نہیں دیکھی جاتی تھیں۔ وہ اپنے باب

پر کھینچ کر بھی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں لپٹ کر

کہ انہیں وہاب کی صورت سے پہچاننا پڑے گا۔ اور اس

کے

بیٹے نے کیا کیا وہ ایک ماہ میں ہی کتنے پوزے لگتے گئے تھے۔ اور فرحت نجانے کن سوچوں میں کم رہتی تھیں۔ جس کسی کو رشتے کا دوستی تھیں وہ تلخی اُونٹنے کی وجہ منظور پوچھتا تھا اور اس وقت ان کا چہرہ دیکھنے کے لائق ہوتا۔ شروع دنوں کے بعد اس نے خود کو سنبھال لیا تھا کہ اس کا دکھ ان کو مزید نڈھال کر دے گا۔ لیکن تھا ہوتے ہی اس کا دل چاہتا تھا وہ خوب روئے۔

ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے کھڑی ہو گئی گھر تو جانا تھا اور فرار کے لیے یونیورسٹی تو صرف ایک بھانہ تھی۔ آج آخری پیپر کے ساتھ یہ بھانہ بھی ختم ہوا۔ اس نے نظر اٹھا کر اس عمارت کو دیکھا اور دھیرے دھیرے میز چیاں اترنے لگی۔ سامنے سے آتے شخص کو دیکھ کر گیت کی طرف بڑھتے اس کے قدم رک گئے۔ وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔

"ہیلو، شکر ہے آپ مل گئیں۔ اس دن آپ اچانک چلی گئی تھیں۔" اس کے بے تکلف انداز پر وہ حیران رہ گئی۔

"وہ بس ایسے ہی۔" وہ ٹالنے کی غرض سے بولی۔

"چلیں اس سے پہلے کہ آپ پھر غائب ہو جائیں کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟"

"عیشہ منظور۔"

"نا نہیں نیم میرا نام اتفاق ہے۔"

"ہوں۔۔۔" وہ مسکرائی "آپ یہاں؟"

"جی یہاں میری چھوٹی سسٹر پڑھتی ہے۔ آج اس کا

لاسٹ پیپر تھا تو سوچا اسے پک کر لوں لیکن لگتا ہے وہ جا چکی

ہے۔" وہ ہال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کون سے

ڈیپارٹمنٹ میں پڑھتی ہیں؟"

"انگلش ڈیپارٹمنٹ میں۔"

"اوہ ریگی میری سسٹر بھی یہیں ہے۔ شاید آپ جانتی

ہوں صومیہ کو۔" عیشہ کو جھٹکا لگا تھا۔ اس نے غور سے

اس کا چہرہ دیکھا۔ تقریباً وہی نقش تھے اسی لیے اسے اس

چہرے میں یہ چہرہ بھی نظر آتا تھا۔

"میں ہر دفعہ آپ سے۔۔۔" اس کے غیر معمولی

تاثرات پر اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی اور وہ سن

ہوتے چہرے کے ساتھ بھاگنے کے سے انداز میں گیت کی

طرف بڑھی جب کہ وہ ہکا بکا اسے جا مارا کھتا رہا۔



اس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ تینوں ایک ساتھ چپ ہوئے تھے۔

”کیا بات ہے؟“ وہ ایک ایک کا چہرہ پڑھتی ہوئی فرحت کے قریب بیٹھ گئی۔

”کچھ نہیں، کچھ سامان منگوانا تھا تو سوچ رہی تھی کہ سامنے سے حمزہ کو بلا لوں۔“

”مگر میں نے ابھی سنا تھا کہ آپ کرائے کی بات کر رہی تھیں۔؟“ وہ گڑبڑا کر رہ گئیں۔

”نہیں، وہ کرایہ تو.....“

”پلیز ای! مجھ سے صاف بات کریں۔“ ان کو نالتے دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو گیا۔

”دراصل پچھلے دو ماہ سے دکانوں کا کرایہ نہیں آ رہا۔ تمہارے تایا کو فون کیا تھا ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں سوچ رہی تھی وہ اب کو.....؟“

”کوئی ضرورت نہیں۔“ اس نے غصے سے ان کی بات کاٹی۔

”آپ تایا ابو کو بھی منع کر دیں۔“ فرحت نے گھبرا کر منظور صاحب کو دیکھا۔

”تو بیٹا! کرایہ کون لائے گا۔“ منظور صاحب کے کہنے پر وہ ایک بل کے لیے خاموش ہوئی۔

”میں لے کر آؤں گی۔“

”تم....!“ ان کے ساتھ حبیبہ اور فرحت نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

”ابو پلیز، جو کام میں کر سکتی ہوں اس کے لیے ہمیں دوسروں کا احسان لینے کی ضرورت نہیں۔“

”تم اکیلی جاؤ گی؟“ اسے اٹھتا دیکھ کر فرحت نے فکر مندی سے پوچھا۔

”میں حبیبہ کو ساتھ لے جاتی ہوں۔“ اس کے نکلتے ہی منظور صاحب نے بے بسی سے اپنی ٹانگوں کو دیکھا تھا۔



”مس عیشہ! پیچھے سے آتی آواز پر اس کے قدم ایک بل کے لیے نہنہکے، وہ مڑے بغیر اس شخص کو پہچان گئی

”ابھی 12 بج رہی تھیں، پیدائشی شکل کو دیکھ گئی۔ اس کی گھڑائی سے چلنا شروع کر دیا۔

”مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“

”لیکن مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ وہ رے بغیر رکھائی سے بولی جب کہ حبیبہ حیرت سے ان کے ساتھ ساتھ چلتے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔

”وہی تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ اس دن بھی یونی چلی گئیں۔ میں تب سے پریشان ہوں۔ آپ مجھ سے کس بات پر خفا ہیں؟“ وہ یک دم رک گئی۔

”خفا ہونے کے لیے کسی رشتے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ میں تو آپ کو جانتی بھی نہیں۔“ وہ حبیبہ کا ہاتھ تھام کر سامنے بڑھی تو وہ ایک دم سے اس کے آگے الٹا۔ غصے سے عیشہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”آپ اس وقت بازار میں کھڑے ہیں مسٹر اتفاق! آپ کا تو پتا نہیں لیکن مجھے اپنی عزت کی پروا ہے۔“ وہ دھیمی آواز میں غرائی تو اس نے نادیم ہو کر ارد گرد نظر دوڑائی۔

”جہاں آتے جاتے لوگ مڑ مڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔“

”آپ اپنا فون نمبر دے سکتی ہیں۔؟“ عیشہ نے بڑے ضبط سے کام لیا اور ہونٹ بھیج کر خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔

”آپ مجھ سے چاہتے کیا ہیں؟“

”میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ ساکت رہ گئی۔ جب کہ ماجرا سمجھنے کی کوشش میں حیران پریشان کھڑی حبیبہ کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔ اس نے غور سے اپنے سامنے کھڑے اس شاندار سے شخص کو دیکھا جو پہلی نظر میں ہی کسی کو بھی متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

”دلغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔؟“ عیشہ نے سنبھل کر اس کا چہرہ دیکھا۔

”آپ بھی سمجھ لیں۔“ اتفاق کے چہرے پر اس کی مخصوص مسکراہٹ پھر ج گئی تھی۔ جب کہ اس کی مسکراہٹ پر اس کے چہرے پر طیش نظر آنے لگا۔

”آپ سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں کسی گاڑی کے نیچے آکر مرجاؤں۔“ اور پھر اسے مزید کوئی موقع دیے بغیر حبیبہ کو کھینچتے ہوئے رکشے کی طرف بڑھ گئی۔ جب کہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات پر ابھی تک ساکت کھڑا تھا۔

”باجی! آپ میرے ساتھ کل چلیں گی؟“ حبیبہ کی رونی صورت دیکھ کر اس نے ریموٹ ساکڈ پر رکھ دیا۔

”باجی! آپ میرے ساتھ کل چلیں گی؟“ حبیبہ کی رونی صورت دیکھ کر اس نے ریموٹ ساکڈ پر رکھ دیا۔

”باجی! آپ میرے ساتھ کل چلیں گی؟“ حبیبہ کی رونی صورت دیکھ کر اس نے ریموٹ ساکڈ پر رکھ دیا۔

”باجی! آپ میرے ساتھ کل چلیں گی؟“ حبیبہ کی رونی صورت دیکھ کر اس نے ریموٹ ساکڈ پر رکھ دیا۔

”باجی! آپ میرے ساتھ کل چلیں گی؟“ حبیبہ کی رونی صورت دیکھ کر اس نے ریموٹ ساکڈ پر رکھ دیا۔

”باجی! آپ میرے ساتھ کل چلیں گی؟“ حبیبہ کی رونی صورت دیکھ کر اس نے ریموٹ ساکڈ پر رکھ دیا۔

”تھڑا ایر کے ذریعے شروع ہو چکے ہیں اور کل آخری ڈیٹ ہے پھر بست رٹ ہو جائے گا۔“ اس کی شرمندہ سی شکل دیکھ کر عیشہ مسکرا دی۔

”اچھا چلو میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔“ راستہ بھر وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوتی رہی۔

”پہلے یہ سب کام ہمیشہ وہاں کرتا تھا لیکن اب تو۔۔۔۔۔“
”باجی یہاں تو بہت لمبی لائن ہے۔ مجھے تو ابھی مار کس شیٹ کی فوٹو کی کاپی بھی کرانی ہے۔“ حبیب کی دہائی پر اس نے غصے سے اسے دیکھا۔

”جاؤ لائن میں کھڑی ہو جاؤ۔ میں فوٹو کاپی کروا کے لاتی ہوں۔“ وہ مار کس شیٹ لے کر کالج سے باہر نئی فوٹو شاپ کی طرف بڑھنے لگی۔

”شاید اور کتنی دیر ہے؟“ آفاق نے آکٹا کر کھڑی سے باہر سرنگال کر دیکھا جو گاڑی کا ٹائمر بدل رہا تھا۔

”بس سر اپنا بچ منٹ۔“ آفاق نے سر جھٹک کر دائیں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ سڑک کے اس پار کالی چادر میں چمکتا چہرہ اسے اپنی نظروں کا دھوکا لگا۔ کیونکہ آج کل ہر مل ہر جگہ اس کا گمان ہوتا تھا۔ وہ تصدیق کے لیے بے اختیار باہر نکل آیا۔ فوٹو کاپی کروا کر وہ دکان سے باہر نکل آئی۔ لیکن سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا۔ ”چتا نہیں اس شخص کو الامام ہوتا ہے کہ جہاں میں ہوتی ہوں وہی پہنچ جاتا ہے۔ جب کہ اس کی سوچ کے برعکس آفاق بست غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا جہاں پہلے کی طرح غصہ نہیں تھا اس کے دل کو اطمینان ہوا۔ وہ اسے نظر انداز کر کے کالج والی سڑک کی طرف بڑھنے لگی۔ لیکن ساتھ چلتے شخص سے اسے الجھن ہونے لگی تو وہ رک گئی۔

”آپ کیوں مجھے فالو کر رہے ہیں؟“

”آپ کو فالو کرنے کی کئی وجوہات ہیں پہلی یہ کہ میں آپ کے گھر کا ایڈریس جانتا چاہتا ہوں۔ کیونکہ صرف آپ سے بات کرنے کے لیے میں نے آپ کو کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔ اس اسکول میں جہاں پہلی بار میں آپ سے ملا تھا حتیٰ کہ اس شاپنگ سینٹر میں بھی دو سری وجہ آپ کی ناراضی آپ نے کہا تھا ناراضی کے لیے رشتہ ہونا ضروری ہے۔ میرا میں نے پچھلی دفعہ آپ سے کچھ

پوچھا تھا۔“

”میں آپ کو جواب دے رہی ہوں۔“ اس نے رخ

موڑ دیا۔

”انکار کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟“

”میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔“

”لیکن میں جانا چاہتا ہوں۔“ وہ کچھ کے بغیر آگے بڑھ گئی۔

”میں آپ کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔“

”شوق سے۔“ پیچھے سے آئی آواز پر وہ ہڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ فوٹو کاپی حبیب کو پکڑا کر وہ پیچ پر ہنسنے لگی۔

”وہ رہ کر اسے غصہ آ رہا تھا۔“

”عیشہ یہ شخص تمہیں پسند کرتا ہے۔ شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔“

”تو دماغ کی اطلاع پر اس نے ٹک کر سوچا۔“

”وہ صومیہ کا بھائی ہے۔“

”تو۔“ اب کی بار اس نے کچھ سمجھنا چاہا تھا اور دماغ نے جو اسے سمجھایا اس کے بعد اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

”حبیب! دو تین لڑکیاں اور ہیں تم فارم جمع کروا کر باہر آ جانا میں گیٹ کے پاس کھڑی ہوں۔“ حبیب کے سر ہلانے پر وہ تیزی سے باہر آئی۔ وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے گھر آ

ٹھا وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔

اسے دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

”میں نہیں جانتی آپ یہ سب کیوں کر رہتے ہیں۔“

لیکن اگر صرف وقت گزاری کر رہے ہیں تو بالکل غلط جگہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔“

”وقت گزاری کرنی ہوتی تو میں آپ کو پرو پوز کرتا اور

کیا میں شکل سے آپ کو فخری لگتا ہوں؟“

”شکل بیٹھ دھوکا دیتی ہے۔“ وہ مسکرا دیا۔

”آپ کو مجھے پر شک کرنے کا حق ہے لیکن میں آپ کو

اپنی شرافت کا ثبوت دے سکتا ہوں۔ آپ اپنے گھر کا

ایڈریس دے دیں۔“ عیشہ نے غور سے اس کی شکل

دیکھی۔

”آپ شاید جانتے نہیں میرا تعلق ملل کلاس سے

ہے۔“ وہ اسے پرکھ رہی تھی۔

”مجھے تو اس سے فرق نہیں پڑتا کیا آپ کو میری کلاس

پر اعتراض ہے۔“

”اگر میں کہوں کہ مجھے آپ پر اعتراض ہے تو۔“ وہ

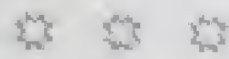
حیران ہوا پھر مسکرا دیا۔

”آپ بتائیں میں اس اعتراض کی وجہ کو ختم کر دوں گا۔“

اور اسی وقت دماغ نے اوکے کا سگنل دے دیا۔ حبیب واپس آئی تو ان دونوں کو آمنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں ویسے بھی مجھے آپ کا ایڈریس جاننے کے لیے آپ کو فالو کرنا ہی ہے نہ عیشہ اسے دیکھنے سے گریز ہی کر رہی تھی کیونکہ اس چہرے میں نظر آتا وہ سراچہ اس کے چہرے پر جو تاثرات لاتا تھا وہ اب انہیں اس شخص پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ خاموشی سے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ جب کہ حبیب آج بھی ماجرا سمجھنے کی کوشش میں حیران تھی۔

”کل میں اپنی مدر کو آپ کی طرف بھیج دوں گا۔“ گاڑی سے اترتے ہوئے آفاق نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ حبیب کا دل اور زبان دونوں اللہ سے دعا مانگنے لگے تھے کہ عیشہ ہاں کرے اور عیشہ کے مسکرانے پر جیسے وہ کھل اٹھا تھا۔ اس نے غور ہی نہیں کیا کہ سامنے گھڑی لڑکی کی آنکھیں اس مسکراہٹ کے بالکل برعکس ہیں۔ اگر وہ ان آنکھوں کو پڑھ لیتا تو شاید کبھی مسکرا نہ پاتا۔



”السلام علیکم! اندر داخل ہوتے ہی اس نے با آواز بلند سلام کیا تھا۔

”کہاں تھے یار! کب سے انتظار کر رہا ہوں۔“ اس کے قریب بیٹھتے ہی حسن نے اسے دیکھ کر کہا۔

”بتاتا ہوں۔“ وہ دھیمی آواز میں کہتے ہوئے سامنے بیٹھی صومیہ اور زرین کی طرف متوجہ ہوا۔

”یہ کس کی تصویریں ہیں؟“ اس نے صومیہ کے ہاتھ میں تھامی تصویروں کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ سب آپ کے لیے ہیں۔ اب آپ جلدی سے بتائیں۔ ان میں سے آپ کو کون سی پسند ہے۔ اور اس بار ان میں سے کسی ایک کو آپ کو پسند کرنا ہی پڑے گا۔ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے۔ دھونس سے بولی۔

”زبردستی ہے کیا۔“

”یہاں پر تو تو اس کے سامنے تصویریں آفاق کے ہاتھ میں تھامیں۔

”مجھ کو تو اس کے سامنے تصویریں منظر رکھ دیں۔ جنہیں حسن نے فوراً اٹھالیا۔

UrduPhoto.com

”دیکھتے بغیر کیسے کہہ دیا تم نے۔“ زرین نے حیرت سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

”یہ شادی نہ کرنے کے بہانے ہیں۔“ صومیہ کے منہ پھلانے پر آفاق نے مسکرا کر اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔ بس ان میں سے کوئی تمہاری بھابھی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ تمہاری بھابھی میں نے پسند کر لی ہے۔“ صومیہ اور زرین نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جب کہ لڑکیوں کی تصویریں دیکھنا حسن اچھل پڑا۔

”کون؟“ وہ بے تابی سے بولا۔

”وہی۔“ وہ زرین لب مسکرایا۔

”یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو۔“ زرین اٹھ کر ان کی قریب آئیں۔

”ہاں کر دی اس نے؟“

”ہوں۔“

”حسن بھائی مجھے بھی بتائیں نا۔“ صومیہ بے چینی سے آگے ہوئی۔

”تم تو کہتے تھے تمہیں اس کا اتنا پتا نہیں معلوم تو ملی کہاں؟“ حسن نے اپنے شک کا اظہار کیا۔

”گر لڑکانے کے باہر۔“

”او میرے خدا! کیا زمانہ آیا ہے من رہی ہیں آنٹی آپ!“

اس نے مسکراتی ہوئی زرین کو مخاطب کیا۔

”پلیز بھائی! آپ مجھے بتائیں۔ وہ کون ہے نہ رہتی کہاں ہے مجھے ابھی لے کر جائیں۔ میں وہاں سے بات چلی کروا کر انھوں کی۔“ صومیہ کی ایک سائنسٹ دیکھنے کے لائق تھی۔

”میری اصل اس کا تعلق ہماری کلاس سے نہیں۔“

آفاق نے کہتے ہوئے غور سے ماں کا چہرہ دیکھا۔ اور اس کی نظریں سمجھ کر وہ مسکرا دیں۔

”تمہیں کیوں لگا آفاق! کہ تمہاری ماں اسٹینس کا انشس ہے۔ وہ گھر وہ جگہ میرے لیے بہت اہم ہیں۔“

کیونکہ وہاں وہ لڑکی رہتی ہے جو میرے بیٹے کی پسند ہے۔“ اور آفاق جیسے بر سکون ہو گیا۔

”پھر آپ کل صومیہ اور حسن کے ساتھ چلے جائیے گا۔ ایڈریس میں حسن کو بتا دوں گا۔“

”اچھا پھر مجھے بازار لے چلو! میں کچھ شاپنگ کروں۔“

پہلی بار خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگتا۔

”مئی کو دیکھیں۔ کتنی جلدی ہے۔“ صومیہ نے شرارت سے ماں کا چمکتا ہوا چہرہ دیکھا۔
”اور اپنے بھائی کو نہیں دیکھا۔“ حسن نے صومیہ کو آفاق کی طرف متوجہ کیا۔ جس کے چہرے پر بہت خوبصورت رنگ تھے۔

”اچھا بھائی! بھابھی کا نام تو بتادیں۔“

”عیشہ“ صومیہ کی مسکراہٹ ماند پڑی تھی پھر اس نے سر جھٹک دیا۔ ”دنیا میں ایک ہی عیشہ تو نہیں۔“
”تمہارے ساتھ ہی تمہارے ڈیڑھ ٹنٹ میں پڑھتی تھی۔“ اب حسن بولا تو اس کی دھڑکن رک سی گئی۔
”گھر کہاں ہے ان کا؟“ آفاق اسے ایڈریس سمجھا رہا تھا جب کہ کمرے کی دیواریں اسے خود پر گرتی محسوس ہو رہی تھیں۔



”ثروت! سارا سامان گاڑی میں رکھواؤ۔ آفاق! حسن کو فون کرو ابھی پہنچا نہیں۔“ باہر سے زرین کی چمکتی ہوئی آواز پر اس نے بمشکل خود کو تار پل کیا۔
”ارے تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔“ اسے ایسے ہی بیٹھا دیکھ کر وہ حیران ہوئیں۔

”مئی! آپ کو لگتا ہے بھائی ٹھیک کر رہے ہیں؟“

”کیا مطلب!“ مطلب وہ لڑکی کیا وہی رہ گئی ہے بھائی کے لیے۔ ہمارے جانے والوں میں کتنی خوبصورت پڑھی لکھی لڑکیاں ہیں اور پھر سب ہماری طرف دِل آف ہیں۔

جب کہ وہ لڑکی۔۔۔ اسے میں جانتی ہوں! ایک دوبار اس کے گھر بھی گئی ہوں۔ وہ لوگ کسی طرح بھی ہمارے مقابلے کے نہیں۔ ہاں وہ خوبصورت ہے بس۔ اور بھائی اس کے بارے میں بھلا کیا جانتے ہیں۔“

”تو تم کیا جانتی ہو؟“ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی زرین نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ گڑبڑائی۔
”میں۔۔۔“ وہ کوئی بہانہ سوچنے لگی۔

UrduPhoto.com

”نہیں ایسا تو نہیں۔“ وہ دھیمی آواز میں بولی۔

UrduPhoto.com

”مئی! آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں سب کیا سوچیں

UrduPhoto.com

گئے۔“

”بس۔“ زرین نے ناگواری سے اسے ٹوک دیا۔

”تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ لوگوں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ ایسی باتیں سوچنے کے لیے۔ اور پھر آفاق کے ساتھ شادی کے بعد وہ آفاق کے حوالے سے جانی جائے گی۔ ہماری فیملی اس کا حوالہ بنے گا۔ تم نے شاید غور نہیں کیا تمہارا بھائی کتنا خوش ہے۔ میں یہ سب سوچ سکتی تھی لیکن آفاق کی خوشی سے زیادہ تو کچھ نہیں۔ اور تم بھی خود کو ٹھیک کرو۔ ورنہ تمہارے بھائی کو برا لگے گا۔“

اس کا مضطرب چہرہ دیکھتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں۔ اور ان کے باہر نکلتے ہی اس نے تکیہ اٹھا کر کارپٹ پر بیٹھ دیا۔ وہ یہ سب روکنا چاہتی تھی لیکن بے بس تھی۔ بھائی سے بات کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ کیا بتا کر منع کرتی۔ مئی کو روکنا چاہا تو وہ بھی اس کی حامی نکلیں۔ تھک کر وہ لیٹ گئی۔

”ہو سکتا ہے عیشہ کو چاند ہو آفاق بھائی کے بارے میں اور جب پتا چلے گا تو وہ منع کر دے گی۔ اتنا تو میں اسے جانتی ہوں۔“ کالی دیر بعد اسے یہ خیال آیا تھا لیکن اس خیال کے آتے ہی وہ پرسکون ہو گئی تھی۔ جب وہ لاؤنج میں آئی تو آفاق آفس سے آچکا تھا۔ اسے گھر میں دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

”ارے صومیہ تم گئیں نہیں؟“

”میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سوچا پھر چلی جاؤں گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آگئی۔
”کیا ہوا تمہیں؟“ آفاق نے فکر مندی سے اس کی پیشانی کو چھوا۔

”بس سر میں درد تھا۔“ اس کے اسی پیارے چہرے پر تو وہ نمل ہو جاتی تھی۔

ہارن کی آواز پر وہ دونوں ہی چوٹے تھے۔ کچھ دیر بعد مسکراتے چہروں کے ساتھ حسن اور زرین اندر داخل ہوئے تھے۔ زرین نے آگے بڑھ کر آفاق کی پیشانی چونی۔
”بہت خوبصورت ہے۔ بہت پیاری اللہ تم دونوں کو خوش رکھے۔“ وہ اسے دعا دیتے ہوئے ابیدہ ہو گئیں۔ تو اس نے مسکرا کر انہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

”کم آن آنی! اتنی خوشی کے موقع پر یہ آنسو بالکل اچھے نہیں لگتے اور یہ جو آنی نے تمہیں پیار کیا ہے یہ تمہیں

دراصل ان کی طرف سے وار ہے۔ عیشہ جیسی بو ڈھونڈنے پر۔ "اور زرین اس کے کندھے پر چپت لگا کر مسکرا دیں۔

"لو بھئی دوسے! تمہاری بات تقریباً" طے سمجھو کل عیشہ بھابھی کی والدہ اور ہو سکتا ہے ان کے تایا آئیں والد محترم معذوری کے باعث چل نہیں سکتے۔ ایک بینک میں تھریڈ گریڈ آفیسر تھے۔ عیشہ بھابھی اپنے والدین کی اکلوتی نور نظر ہے، ایک اور محترمہ حبیبہ صاحبہ بھی رہتی ہیں۔ جو ان کی رشتہ دار ہیں۔ لیکن بہن جیسی ہے۔ سو ایک عدد سالی رکھنے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہو گا۔ اتنا کافی ہے یا کچھ اور بتاؤں؟" حسن نے ایک سانس میں بولنے کے بعد آفاق کا چہرہ دیکھا جو بڑی دلچسپی سے ساری اطلاعات سن رہا تھا۔

"اور کیا ہے؟"

"دیکھ رہی ہیں آنٹی۔" حسن نے شرارت سے زرین کو دیکھا۔

"تمہارے مطلب کی بات بتاتا ہوں۔ عیشہ بھابھی نے پہلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ چہرہ میک اپ کے بغیر تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی دو منٹ کے لیے مجھے سکتہ ہوا تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہیں میں وقتاً فوقتاً ان سے بات کر کے یہ پتا کر لیتا تھا کہ وہ جاگ تو رہی ہیں۔" آفاق قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

جب کہ اسے یوں خوش دیکھ کر وہ نہال ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے صومیہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

وہ بالکل سیں چاہتی تھیں کہ آفاق کو صومیہ کی ناپسندیدگی کی بھٹک بھی پڑے اور اس کا دل برا ہو۔

"اور یہ سب کچھ اس چپٹکی کی وجہ سے ہوا ہے جو پہلی بار میں ہی کامیابی کا سہرا ہمارے سروں پر سجا ہے۔" حسن نے صومیہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"یہ عیشہ بھابھی کی فریڈ ہے۔ پہلے وہ لوگ کچھ گھبرائے ہوئے تھے، لیکن اچانک صومیہ کا ذکر ہوا اور پھر تفصیل جان کر وہ بالکل مطمئن ہو گئے۔"

زرین نے کل بتایا صومیہ کے گھر میں عیشہ کو جانتی تھی۔ آفاق نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ بڑی دقت سے مسکرائی۔

زرین نے آپ کی خبریں دہرائیں تھیں۔

"اچھا پھوڑو کل وہ لوگ آئیں گے تو میں انہیں کہوں گی کہ شادی کی ڈیٹ جلدی سٹے کر دیں۔" زرین کے کندھے پر وہ مسکرایا تو حسن کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ٹھوڑا شرمیلی لو نکلفا" ہی کہہ دو کہ میں اتنی جلدی کیا ہے؟

"کیوں کہوں۔" وہ جیسے مزہ لیتے ہوئے بولا۔

"اس کا مطلب ہے جلدی ہے۔" حسن کے قہقہے میں زرین کی ہنسی بھی شامل ہوئی تو اس نے ہنسی کا اپنے قہقہے کو قابو کیا۔ جب کہ صومیہ کا سہرا او جو دجل رہا تھا۔

یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس کا بھائی اسے بھولا تھا۔ اور یہ بھی عیشہ کی وجہ سے تھا۔

"وہ ابھی آئی بھی نہیں تو یہ حال ہے۔" اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"عیشہ یہ سب کیوں کر رہی ہے؟" سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی ریگیں پھٹنے لگی تھیں۔

"اسے روکنا ہو گا ہر حال میں۔" اس نے سوچا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



جب سے وہ لوگ عیشہ کو انگوٹھی پہنا کر گئے تھے تب سے کمرے میں بیٹھے وہ تینوں نفوس حیران تھے۔ لیکن ان تینوں کی حیرت ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ منظور اور فرحت اپنی خوش قسمتی پر حیران تھے۔ جب کہ حبیبہ وہ تو حیران سے زیادہ پریشان تھی۔ اس نے اس شاندار شخص کو دیکھتے ہی پاس کر دیا تھا۔ اور تصور ہی تصور میں اس نے ان دونوں کو ساتھ کھڑا کر کے بے اختیار چاند سورج کی جوڑی قرار دیا تھا۔ آفاق کی والدہ اور اس کے ساتھ صومیہ کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ لیکن جب اسے پتا چلا کہ آفاق صومیہ کا بھائی ہے تب سے لے کر اب تک وہ اپنی سوچ پر کئی بار اعنت بھیج چکی تھی۔ انگوٹھی پہنائے جانے تک وہ اس کے انکار کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اسے لگا شاید عیشہ آفاق کے بارے میں نہیں جانتی۔ لیکن یہ جان کر اسے زبردست شاک لگا تھا کہ وہ حقیقت جاننے کے باوجود اس سے شادی کر رہی ہے۔ وہ اس سے وجہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن اس کے پتھر لیے تاثرات دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے جاتی تھی۔

"باجی رہا جی! حبیبہ کی گھبرائی ہوئی آواز پر عیشہ بیٹھ

شیت بچھاتے ہوئے رکی۔
 ”وہ وہاب بھائی کا فون ہے۔“
 ”فون بند کر دو۔“ وہ دوبارہ بند شیت بچھانے لگی۔
 ”اچھا رکھو۔“ کچھ سوچ کر اس نے حبیبہ کو منع کیا۔
 ”کیسی ہو عیشہ؟“ اس کی آواز سنتے ہی بڑے نرم لہجے

میں اس کا حال دریافت کیا گیا۔
 ”اللہ کا شکر ہے، آپ بتائیں کیسے رحمت کی۔“ اس کے روکھے لہجے پر وہ کتنی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکا۔
 ”اگر آپ کا پی ٹی سی ایل فری ہو گیا ہے تو اس آفر کا فائدہ کیسے اور اٹھائیے۔ میرے پاس آپ کی خاموشی کو سمجھنے کے لیے فالتو وقت نہیں۔“
 ”عیشہ! تم ایسے بات کیوں کر رہی ہو؟“
 ”کیا مطلب ایسے بات کیوں کر رہی ہوں۔“ وہ تنک کر

بولی۔
 ”میں نے تمہارے لیے.....“
 ”یلیز کم ٹو دا پوائنٹ۔“ اس نے اکتا کر وہاب کی بات کاٹی۔
 ”تم آفاق سے شادی کیوں کر رہی ہو؟“
 ”میرا خیال ہے یہ میرا پرسل میٹر ہے۔“
 ”دیکھو عیشہ تم مجھے بے شک غیر سمجھو لیکن تم میرے لیے آج بھی وہی عیشہ ہو میں تمہارے ساتھ برا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ ان کے ساتھ ہمارا کوئی جوڑ نہیں کل کو تمہیں کافی مشکلات ہو سکتی ہیں۔“ وہ ایک دم ہنس پڑی تھیں۔

”مشورے کے لیے شکریہ واقعی تمہیں میری کتنی فکر ہے، میرا جوڑ بے جوڑ اور تمہارا اور صومیہ کا جوڑ بہترین جوڑ کیا بات ہے۔“ اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ وہ پھر خاموش ہو گیا۔
 ”صومیہ بہت پریشان ہے۔“
 ”او تو اصل بات یہ ہے۔ آپ کو تو بڑی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ صومیہ کی پریشانی ہے۔“ وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

”صومیہ کو اگر اتنی ہی تکلیف ہے تو اس سے کیسے رشتہ داروں کو بھی بتا دینا۔“
 ”ہمارے بھائی کی ہونے والی شادی میں اس سے کیا رشتہ ہے؟“
 ”عیشہ! تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟“
 ”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ عیشہ مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔
 ”اس سب میں میرے بھائی کا کیا قصور ہے؟“ تب اس کی آواز کا شور مچا دیا تھا۔

”یو شٹ اپ مسٹر وہاب! اپنی آواز کو دھیمائی رکھو اور تمہیں قاصد بننے کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ آئندہ مجھے فون کرنا۔“ اس نے سختی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ تب سے صومیہ کی خاموشی پر حیران تھی، لیکن اب اس نے وہاب کو آگے کیا تھا۔ پورے ایک گھنٹے بعد ڈور بیل بجی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ نہانے کا پروگرام ملتوی کر کے اس نے تیل لگے بالوں کو مکہ جہر سے سمیٹا۔

”ارے صومیہ! آج کتنے دنوں بعد آئی ہو۔“ فرمت آج اسے عیشہ کی دوست کی بجائے متوقع زند کے طور پر زیت کر رہی تھیں۔
 ”آئی! مجھے عیشہ سے ملنا ہے۔“
 ”جاؤ بھئی اب تمہیں اپنی بھابھی سے مطلب ہے۔ وہ اپنے کمرے میں ہے۔“ وہ ہنس کر بولیں تو عیشہ کی نظریں دروازے پر جم گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ لال بھجھو کا چہرہ لے کر اس کے سامنے آئی۔ اس کے حلقے دل پر جیسے پھوار پڑی تھی۔ اس نے واقعی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔
 ”کیوں کر رہی ہو تم یہ سب۔“

”میں کیا دنیا سے نالا کر رہی ہوں۔ سب ہی تو شادی کرتے ہیں۔“ اس کے نیرن انداز پر صومیہ کے ہونٹ بھینچ گئے۔
 ”میرے بھائی سے شادی کیوں کر رہی ہو؟“
 ”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ عیشہ مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔
 ”اس سب میں میرے بھائی کا کیا قصور ہے؟“ تب اس کی آواز کا شور مچا دیا تھا۔

”جو تم نے میرے ساتھ کیا، کیا میں جان سکتی ہوں۔“
اس میں میرا کیا قصور تھا؟۔“
”بدلہ لے رہی ہو؟۔“

”بالکل۔“ وہ مزے سے بولی۔

”تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ تمہیں یہ سب ختم کرنا ہو گا۔“ وہ اضطرابی انداز میں طعنے لگی۔ اس کے سامنے اپنے بھائی کا چہرہ گھومنے لگا تھا۔

”بھئی میں دیوے ختم کروں، میں تو تمہارے بھائی کے پاس نہیں گئی تھی کہ مجھے پروپوز کریں وہ خود آئے تھے بلکہ بار بار آئے تھے۔ میرا خیال ہے تم یہ درخواست اپنے بھائی سے کرو۔ شاید وہ کچھ کر سکیں۔“ عیشہ نے اسے اس کے الفاظ لوٹائے تھے۔ ضبط کے مارے صومیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”پلیز عیشہ! تم جانتی ہو آفاق بھائی میرے اور می کے لیے کیا ہیں۔“

”جانتی ہوں اسی لیے تو یہ سب کر رہی ہوں۔“ وہ مسکرائی تھی۔

”پلیز عیشہ! میرے بھائی بہت اچھے ہیں۔ وہ تمہاری نفرت دیزرو نہیں کرتے۔ تم انکار کرو، انہیں وقتی طور پر دکھ ہو گا۔ لیکن پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ عیشہ کچھ دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی، پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

”بڑی تکلیف ہو رہی ہے صومیہ! مجھے بھی ہونی تھی۔ تمہاری وجہ سے میرے سارے گھر والوں کو ہونی تھی۔ وقت ایک موقع تو سب کو دیتا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتی تھی۔ وہ موقع مجھے اتنی جلدی ملے گا۔ اور بری تو میں بھی نہیں تھی جو اتنی تکلیف دیزرو کرتی۔“ وہ دکھ سے بولی۔

”اور کیسی بہن ہو تم! اپنے بھائی کی خوشی تمہیں برا بھلا نہیں ہو رہی؟“ بولتے بولتے اس نے پھر دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔ صومیہ کا ہاتھ ایک دم اٹھا تھا لیکن پھر فضا میں ہی معلق رہ گیا۔ عیشہ کی آنکھوں میں اتنی نفرت تھی کہ وہ بے جان ہو کر اس کے پہلو میں لٹنے لگا۔

”میں تمہیں نہیں بھاری دے سکتا تھا۔“ عیشہ نے اسے وارن کیا۔

”میں بھائی کو تمہاری اصلیت بتا دوں گی! صومیہ کی دھمکی پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”میں اس کے سامنے ہونے والی ہوں۔“ عیشہ نے اسے وارن کیا۔

”میں اس کے سامنے ہونے والی ہوں۔“ عیشہ نے اسے وارن کیا۔

”میں اس کے سامنے ہونے والی ہوں۔“ عیشہ نے اسے وارن کیا۔

”میں اس کے سامنے ہونے والی ہوں۔“ عیشہ نے اسے وارن کیا۔

”بتاؤ! لیکن ساتھ میں یہ ضرور بتانا کہ میرے یہ سب کچھ کرنے کی وجہ کیا ہے۔“

”میں تمہیں دیکھ لوں گی۔“ صومیہ تلخ انداز سے اس کی طرف بڑھی۔

”ضرور دیکھنا! کچھ دنوں میں تمہارے گھر ہی آ رہی ہوں، تمہاری بھابھی بن کر تمہارے بھائی کو بہت جلدی ہے۔“ اس کے مسکراتے لبوں پر صومیہ نے زور دار آواز سے دروازہ بند کیا تو اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر آنسوؤں کو باہر نکلنے سے روکا تھا۔

”باجی!“ جیب کی بھرائی ہوئی آواز پر اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

”پلیز باجی! ایسا مت کریں۔ آپ کسی کی نہیں خود اپنی زندگی برباد کر رہی ہیں۔ وہ شخص بھی تو صومیہ کا بھائی ہے۔ کیسا ہو گا۔ اور جب اسے پتا چلے گا کہ آپ نے اس سے شادی کیوں کی تو جانتی ہیں اس کا انجام کیا ہو گا؟“ جیب نے برستی ہوئی آنکھوں سے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا۔ وہ کب سے خاموش تھی لیکن آج صومیہ اور عیشہ کی باتیں سن کر وہ خاموش نہیں رہ سکی۔

عیشہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”سب پتا ہے جیب! سب سوچا تھا۔ لیکن تم اس درد کو محسوس نہیں کر سکتیں جو مجھے ملا ہے۔ محبت کے نام پر دوستی کے نام پر اعتماد کے نام پر کوئی ایسا بھی کرتا ہے؟ میں جانتی ہوں وہ صومیہ کا بھائی ہے، میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی دیکھی تھی۔ لیکن جب میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کیا، میرے ذہن میں وہ شخص اس کی پسندیدگی اس کی امارت کچھ نہیں تھا۔ بس اتنا یاد تھا کہ صومیہ اس شخص سے بہت محبت کرتی ہے۔ اتنی کہ اگر اس شخص کو تکلیف ہوگی تو وہ تڑپے گی۔ اتنا تو جانتی ہوں جب بہت کے جواب میں بے رحمی ملے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اور تم جس انجام کا ذکر کر رہی ہو۔ اس سے آگاہی بھی ہے مجھے۔ جب میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا تو وہ چہرہ مجھے جانا پہچانا لگا تھا۔ پتا ہے کیوں، کیونکہ اس کے نقوش اس چہرے سے بہت ملتے ہیں۔ جس سے میں نفرت کرتی ہوں، میں اس شخص سے جہی نفرت کرتی ہوں۔“

اس کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

گی۔ جس سے آپ نفرت کرتی ہیں۔

”ساری زندگی تو بہت دور کی بات ہے کچھ دیر برداشت کرنا مشکل ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو میں اس کی زندگی میں خوشیاں بھرنے جا رہی ہوں، نہیں بلکہ اس کی زندگی سے ہر خوشی چھیننے جا رہی ہوں۔ میری نفرت دیکھ کر اسے دکھ ہو گا۔ اور وہی دکھ صومیہ محسوس کرے گی یہی میں چاہتی ہوں۔ میری نفرت جلد ہی اس کی پسندیدگی کو ختم کر دے گی۔ وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ اسی ابو کو دکھ تو ہو گا، میری زندگی پر داغ بھی لگے گا۔ لیکن پھر بھی جیب! میں یہ سب کروں گی۔“ جیب اس کے گلے لگ کر سسک اٹھی۔

”رونا بند کرو جیب! دیکھو میں رو رہی ہوں۔“ اس نے جیب کو الگ کر کے اس کے آنسو صاف کیے اور اس کے گال تھپکتے ہوئے باہر نکل گئی۔



”یہ سمجھتی کیا ہے خود کو۔ میرے بھائی کی پسندیدگی کا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ بھائی کو اس کی اصلیت پتا چلے تو خود اس کی عقل ٹھکانے آجائے گی۔“ وہ کھولتے ہوئے دماغ کے ساتھ آفاق کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مٹی نے تو خواہ مخواہ عیشہ کو ہوا بنا رکھا ہے۔ وہ نہ ملی تو جیسے بھائی.....“ اس نے سر جھٹک کر خود کو کچھ برا سوچنے سے روکا۔

”میں مٹی سے زیادہ بھائی کو جانتی ہوں، میں منع کروں گی۔ ذرا طریقے سے بات کروں گی۔“ اس نے آہستہ سے ہینڈل گھما کر تھوڑا سا دروازہ کھولا ساتھ ہی حسن کا تہقہ سنائی دیا۔

”یہ عورتوں کا ڈپارٹمنٹ ہے دولہے میاں، صومیہ کو یہ ذمہ داری سونپو۔“

”ہاں صومیہ بھی تیاری کر لے، لیکن اس کے لیے برائیڈل ڈریس میں خود لوں گا۔“

”یہ تم نے عیشہ کو زیادہ ہی سر پر سوار کر لیا ہے۔“

”تا نہیں حسن! میں اس سے دھیان ہٹانا بھی چاہتا ہوں۔ لیکن وہ بے دھیانی میں بھی میرے دھیان میں رہتی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اس کے لیے تمہیں کچھ کرنا پڑے گا۔ میں اس سے کہیں سنا لیکن بس اتنا جانتا ہوں، اگر وہ انکار کر دے تو میں کبھی کسی اور سے شادی نہیں کر سکتا، تمہاری سہیلی۔“ اس کے قطعی لہجے پر صومیہ کی گرفت دروازے پر ڈھیلی پڑ

گئی تھی۔

”وہ ہیر تو نہیں پھر میرا دوست رانجھا کیسے بن گیا۔“ حسن نے افسوس سے سر ہلایا تو آفاق کا تہقہ۔ اس کی ساعت سے نکرایا۔ وہ اگلے قدموں پیچھے ہٹتی عیشہ کا تہقہ۔ بھی ان تہقوں میں شامل ہو گیا تو اپنے کمرے میں آکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔



اپنے سامنے پھیلے زرق برق کپڑے اسے سخت تکلیف دے رہے تھے۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ صومیہ نے اس دن کے بعد کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ آج اس بات کو بھی میں دن گزر گئے تھے اور پورے بارہ دن بعد اس کی شادی تھی۔ لیکن اس کی پریشانی کی وجہ صومیہ نہیں یہ شادی تھی۔ اسے اس شخص سے رتی برابر لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن شادی کا مطلب بھی وہ جانتی تھی۔ وہ اس شخص کو سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن پھر بھی سوچ رہی تھی اور اسے سوچ سوچ کر اس کی وحشت بڑھ رہی تھی۔

”کہاں جا رہی ہو۔“ اسے تیار دیکھ کر فرحت حیران ہوئیں۔

”میں منور انکل کے اسکول جا رہی ہوں۔“

”کیوں، بس ایسے ہی باہر جانے کو دل چاہ رہا ہے۔“

”جاؤ پھر بازار سے ہو آؤ۔“

”نہیں، بازار جانے کا موڈ نہیں ہے۔“

”اچھا جیب کو ساتھ لے جاؤ، اکیلی کہاں جاؤ گی۔“ وہ اس کے پیچھے لپکیں، لیکن وہ سنی ان سنی کر کے باہر نکل گئی۔



”کارڈز پر تنگ کے لیے دیے ہیں۔“ آفاق نے حسن کو دیکھا جو چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھا رہا تھا۔

”فکر نہ کرو۔ تمہاری شادی پر سارے لوگ پہنچ جائیں گے۔“ وہ کپ میں پکی چائے کے دو بڑے گھونٹ لے کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”اچھا کوئی کام رہ گیا ہو تو جلدی بناؤ۔ آفس چھوڑ کر آ رہا ہوں۔“ اسے فائل میں محو دیکھ کر حسن بولا۔

”سارا کام تو ہو گیا ہے، لیکن اگر کوئی رہ گیا ہے تو سوچ لو۔“ وہ تو میں سوچ لوں گا، پر تم خود بھی کچھ سوچ لیا

نہیں کہیں گے اس کی مٹانے والے نہیں ہوں اور یہی حق ہے۔

”امی نے آپ کی مدد کو بتایا تھا۔ آپ کو بھی پتا ہو گا میں پہلے اپنے کزن کے ساتھ منسوب تھی۔ پھر وہ کسی اور لڑکی میں اتوا ہو گیا۔ تو ہمارا رشتہ ختم ہو گیا۔“ وہ آنکھیں جھکائے گویا تھی۔

”میں جانتا ہوں کیا آپ اس وجہ سے پریشان ہیں؟“
اس نے سرفہمی میں بلایا۔

”دراصل میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے پیرمیں پریشان تھے۔ اس لیے میں نے آپ کے رپوزل پر ہاں کہی تھی۔“ اسے محسوس ہوا مقابل کی فکراہٹ مدہم ہو گئی ہے۔

”میں....“ وہ رک کر مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی۔
 ”میں آپ سے شادی کر رہی ہوں۔ لیکن مجھے ابھی کچھ
 وقت چاہیے۔“ مسلسل خاموشی پر اس نے جھجکے
 ہوئے نظریں اٹھائیں۔ ان لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی
 تھی۔

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں آپ بے فکر رہیں۔
آپ کو کوئی پر اہلم نہیں ہوگی۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ
آپ میری بن کر میرے ساتھ رہیں۔" عیشہ نے ایک
جھٹکے سے نظریں اٹھائیں۔

”اور کچھ؟“ اس کا لہجہ کچھ شوخ سا تھا۔
 ”میں تمہاری یہ مسکراہٹ چھین لوں گی۔“ اس کی
 نظریں کہہ رہی تھیں لیکن لب خاموش تھے۔
 ”چلیں میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔“
 ”نہیں“ میں چلی جاؤں گی۔“

”ٹھیک سے چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔“ وہ اس پر گہری نظر ڈالتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

”آئیے شہزادے! پھر کیا بات ہوئی۔؟“ اس کے بیٹھے ہی حسن نے شرارت سے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ مسکرا دیا، لیکن حسن کو ڈراپ کرنے کے بعد اس کے چہرے پر سوچ کی لکیں ابھری تھیں۔

کبریا عیش کو فرماتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ میں داخل ہوئی
تھیں جو گھٹنوں کے گرد بازو پیٹے، تھوڑی گھٹنوں پر نکالے
پر چاروں طرف سے چمکیں تھیں، ان کے دل کو بچھو گواہی ابھی
تھوڑی دیر پہلے ہی عیش کا نکاح آفاق سے ہوا تھا۔ یا

UrduPhoto.com

ماہنامہ شعبہ

"نہیں باہر بیٹھے ہیں۔"
"اور ابو؟"

تمہارا ساتھی صحیح معنوں میں تمہاری قدر کرنے والا ہو۔"
وہ اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئے تو اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔

"میں جانتی تھی آپ کیا کرنا چاہتے تھے لیکن میں وہاب کو معاف نہیں کر سکتی۔" اس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بہہ نکلا۔

"تم کیوں رو رہی ہو عیشہ اور کس کے لیے جس کو تمہاری قدر نہیں۔" دماغ کے ڈپنے پر اس نے بے دردی سے آنکھوں کو مسل ڈالا۔



اس کی نظریں بار بار جھٹک کر پھولوں سے بچے کمرے پر دوڑنے لگتیں۔ وہ پھر گھبرا کر نظریں جھکا لیتی۔ اب سے پہلے وہ اس کے وعدے کے باعث مطمئن تھی لیکن اب اس کمرے میں جس کا مالک وہ تھا اور پھر وہ خود بھی تو اس کے اختیار میں تھی۔ اگر وہ اپنی بات سے مکر گیا تو۔۔۔ یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔

اسی وقت دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی اس کے دل کی دھڑکن بے حد تیز ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے لیے ایسی خاموشی چھائی تھی کہ اسے اپنی دھڑکن کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ پلٹکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے سنا تھا کل آپ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں لیکن اتنا لمبا آپ کا گھونگھٹ تھا میں دیکھ ہی نہیں سکا لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آج سے زیادہ خوبصورت نہیں لگ رہی ہوں گی۔" عیشہ نے دوبارہ سر جھکا لیا۔ چند لمحوں بعد اس کے سر جھکانے پر وہ اٹھ کر دائیں طرف بنے دروازے میں گم ہو گیا۔ وہ پھر اس کے سامنے تھا۔

"یہ آپ کے لیے۔" اس نے ایک ڈبہ اس کے آگے کیا پھر اسے کھول کر ایک لاکٹ اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سامنے کیا۔

"میں پہنا دوں؟"

"نہیں میں خود پہن لوں گی۔" وہ گھبرا کر بولی اور جلدی سے لاکٹ اس کی ہتھیلی سے اٹھا لیا۔ اس کی اس ادھر

"وہ جب سے مسجد سے آئے ہیں اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ بٹی کے فرض سے خوش اسلوبی سے سبکدوش ہونا بڑی خوش نصیبی ہے لیکن اس کے پرانے ہونے کا احساس بہت بڑا ہوتا ہے۔ پرانی تو تم آج سے ہو گئی ہو اکل اس گھر سے بھی چلی جاؤ گی۔" اب فرحت کا حوصلہ بھی جواب دے گیا تھا۔ وہ رو پڑیں تو عیشہ نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔

"شاید آجاؤں واپس۔" اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔ فرحت نے دہل کر اسے دیکھا۔

"کیسی منحوس باتیں کر رہی ہو ہمیں اس تکلیف میں بھی سکون ہے۔ آئندہ ایسے الفاظ کبھی اپنے منہ سے نہ نکالنا۔" اچانک انہوں نے درشتی سے اسے ٹوک دیا تو وہ مسکرا دی۔

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ سلطان صاحب کو دیکھ کر فرحت کھڑی ہو گئیں جبکہ عیشہ غور سے ان کی نم آنکھیں دیکھنے لگی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گئے۔

"میں گھر جا رہا تھا سوچا عیشہ سے مل لوں پھر شام کو فنکشن ہے تفصیل سے بات نہیں ہو سکے گی۔"

"چلیں پھر آپ باتیں کریں میں ذرا باہر انتظامات دیکھ لیتی ہوں۔" فرحت ان کا نم لہجہ بھانپ گئی تھیں اس لیے باہر نکل گئیں۔

"مجھے معاف کر دو بیٹا میں کچھ نہیں کر سکا۔ آج تم کسی اور کی ہو گئی ہو۔ تم نہیں جانتیں مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ تمہارے حوالے سے کتنے خواب دیکھے تھے ہم نے وہ سب اب۔۔۔" وہ ہونٹ بھینچ کر چپ ہو گئے جبکہ اس کا دل پھر کر لانے لگا۔

"آپ مت روئیں تایا ابوا میں نے کبھی آپ کو الزام نہیں دیا اور نہ میں آپ سے ناراض ہوں۔" وہ ان سے الگ ہو کر اپنے آنسو صاف کرنے لگی پھر ان کو کچھ کہنے کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر اس نے دوبارہ سے نیک لگالی۔

"تایا ابوا میں نے کتنی کوششیں کی ہیں لیکن مان نہ سکوں۔" وہ کچھ دیر اس کا سیاٹ چہرہ دیکھتے رہے پھر سر جھکا

"اللہ تمہیں سدا خوش رکھے میری بی دعا ہے۔"

آفاق کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔
 ”مجھے چیخ کرنا ہے۔“ اس کی گہری ہوتی مسکراہٹ
 نے اسے وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کہتے ہوئے بیڈ
 سے اترنے لگی۔

”کر لیجئے گا ابھی تھوڑی دیر بات کرتے ہیں۔ آپ کو
 میرے بارے میں پتا چلے گا مجھے آپ کے بارے میں۔“
 آفاق نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھانا چاہا لیکن وہ ہنسنے سے پیچھے
 ہٹی۔ آفاق نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا جو ضرورت سے
 زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔

”عیشہ۔۔۔“ وہ اس کی طرف بڑھا۔ عیشہ بے ساختہ
 تین قدم پیچھے ہٹی تھی۔ آفاق نے ہونٹ بھیج لیے اس کا
 ضبط کے بارے میں پتا چہرہ دیکھا تو گھراسانس لے کر پیچھے
 ہٹا۔

”یہ ڈرینگ روم ہے۔ وارڈروپ میں آپ کے کپڑے
 ہنگ ہیں۔ آپ چیخ کر لیں۔“ اس کے کہتے ہی وہ بھاری
 لنگا سنبھالتے ہوئے تیزی سے اس دروازے کی طرف
 بڑھی۔

”کیا ہو گیا ہے مجھے۔“ اندر آکر اس نے بے اختیار خود
 کو ڈانٹا۔

کپڑے بدلنے کے بعد وہ جان بوجھ کر دیر سے باہر آئی وہ
 بیڈ پر بیٹھا پر سوچ انداز میں پھولوں کی پتیوں کو دیکھ رہا تھا۔
 آہٹ پر چونک کر سیدھا ہوا۔ اس کی مسکراہٹ پر وہ
 نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

”آپ یہاں آجائیں۔“ اسے وہیں کھڑا دیکھ کر آفاق
 نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا تو وہ ڈرینگ روم کے قریب
 رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”میں یہاں ٹھیک ہوں۔“

آفاق نے کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر بیڈ سے کبل اٹھا
 کر اس کے قریب آگیا۔ اس کے ساتھ ایک خوشبو کا مہکتا
 ہوا جھونکا بھی آیا تھا۔ عیشہ نے سراپیمہ ہو کر اسے
 دیکھا۔

”آپ کو اس طرح گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔
 مجھے اپنا وعدہ یاد ہے میں آپ کی خواہش کا احترام کروں گا۔
 جب تک آپ چاہیں۔“ (عیشہ نے خاموشی لے لی) اس کے
 ہاتھ سے کبل لے لیا۔ وہ ڈرینگ روم کی طرف مڑا تو اس
 نے کبل سے تھک اور اٹھ لیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کبل کو تھک
 اندھیرا چھایا اور کمرے میں ہلکی نیلی روشنی پھیل گئی۔ اس

نے ذرا سا کبل سے کاربند کی طرف دیکھا وہ لیٹ چکا تھا۔
 اس نے ایک بار پھر کبل سے پلے لیا۔

صبح آنکھ کھلتے ہی اس کی نظریں اجنبی وجہوں سے
 ٹکرائیں۔ گلابوں کی منگ نے اس کے خوابیہ وجود اس کو
 مکمل طور پر جھنجھوڑ دیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا وہاں
 کوئی نہیں تھا۔ بھاری پردے ہونے کی وجہ سے بہت کم
 روشنی کمرے میں آ رہی تھی۔ وہ آنکھ کربا تھ روم کی طرف
 بڑھنے لگی۔ کیلے بالوں کو سکھانے کے بعد اس نے انہیں
 برش کیا اور باہر نکل گئی۔ اور آفاق کو کمرے میں کھڑا دیکھ کر
 وہیں تک گئی کہ گند مار نکلتا وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”عیشہ اور آپ کے تایا بتی ابھی گئے ہیں۔ آپ سو رہی
 تھیں اس لیے میں نے جگایا نہیں۔“ اس کے خوشگوار
 انداز پر عیشہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”ناشتہ یہاں کریں گی یا۔۔۔ اچھا ایسا کرتے ہیں ڈائننگ
 روم میں ساتھ کرتے ہیں اور آپ کو آپ کا گھر بھی دکھا دیا
 ہوں۔“ وہ بہت بے تکلفی سے بات کر رہا تھا۔

”آئیے۔“ وہ دروازے کے قریب رک کر بولا تو وہ اس
 کے پیچھے چلنے لگی۔ سب سے پہلے سامنا اس کا زریں سے
 ہوا۔ ان کی مسکراہٹ پر وہ گھبرا کر نظریں پڑانے لگی۔

”میں نے سوچا میں عیشہ کو گھر دکھا دوں۔“ آفاق ان
 سے کہہ رہا تھا تو انہوں نے اس کا ہاتھ چوم کر اسے گلے لگا
 لیا۔

”چلیں آپ کو دو سرا پورشن دکھاؤں۔“
 ”نہیں بس۔“

”چلیں ٹھیک ہے اب ناشتا کر لیتے ہیں۔“ وہ ڈائننگ
 روم کی طرف بڑھا تو وہ صوفے کے قریب رک گئی۔

”ویکم نہیں بولو گی صوفہ اپنی بھانجی کو۔“ اس کا انداز
 دل جلانے والا تھا۔

”مالی فٹ۔“ صوفہ نخوت سے بولی۔

”چہ چہ۔۔۔۔۔ کتنی بری بات ہے۔ تمہارے بھائی کو پتا چلا
 کہ تم میرے آنے پر خوش نہیں تو سوچو کتنا دکھ ہوگا
 انہیں۔“

”تمہیں اس کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں۔“
 ”واقعی مجھے کیا ضرورت ہے۔“ عیشہ کندھے اچکا کر

بولی۔

”بھابی جی ابھائی جی ناشتے کے لیے بلا رہے ہیں۔“
شرارت کے کہنے پر اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔
”میں تو بخاری ہوں۔ لگتا ہے ایک ہی دن میں
تمہارے بھائی کو میرے بغیر کھانا بھول گیا ہے۔“ وہ
مسکراتے ہوئے ڈانٹنگ روم کی طرف بڑھی جبکہ صومیہ
ٹھیکیاں پیچھے اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔



آفاق کے قدمہ لگانے پر اس نے بمشکل اپنے قدمے کو
مسکراہٹ میں تبدیل کیا۔ مسلسل ہنسنے سے اب اس کے
جڑے دکھنے لگے تھے۔ آفاق کا یہ روپ پچھلے کچھ عرصہ
سے اس کی نظروں میں آیا تھا اس کے نزدیک وہ بہت
سنجیدہ اور نرم طبیعت کا تھا لیکن حسن کے ساتھ بیٹھتے ہی
اس کا سینس آف ہیومنر غضب کا ہو جاتا تھا۔
”پھر بھابی! آپ کی دعوتوں کا سلسلہ کب تک مزید
جاری رہے گا۔“ حسن اس کی طرف متوجہ ہوا۔
”آج کل تو کوئی دعوت نہیں۔“

”پھر آپ لوگ ہنی مون پر کب جا رہے ہیں۔“ عیشہ
نے قدرے چونک کر اسے دیکھا اور پھر آفاق کو جو مسکرا رہا
تھا۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“ اس نے حتی الامکان لہجے کو
نارمل رکھا۔

”کیوں آپ جو کہیں گی وہی ہوگا۔ اس کی کیا ہمت جو
آپ کو انکار کر سکے۔“ اس نے آفاق کو شرارت سے دیکھا
تو وہ مسکرا دیا۔

”ایسا کرتے ہیں بھور بن چلتے ہیں۔ وہاں ہمارا ریسٹ
ہاؤس بھی ہے۔“

”یہ چلتے ہیں سے کیا مراد ہے تمہاری۔“ زریں نے
مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

”آئی! اکیلے بچوں کو بھیجنے کا زمانہ نہیں آج کل اس
لئے ہم سب ان کی حفاظت کے لیے ساتھ چلیں گے۔“

صومیہ کھانکھلا کر ہنس پڑی۔ عیشہ نے جلدی سے اس
کا چہرہ دیکھا جو اپنے بھائی کا مسکرا ہوا چہرہ دیکھ کر خوش ہو رہی
تھی۔

”کیوں بھابی! حسن کے چہرے پر وہ ایک نظر اسے
دیکھ کر اپنے ناخنوں سے کیے کیے۔“

”جس نے اسے دیکھا۔“ حسن نے کہا۔ ”جس نے اسے دیکھا۔“

کرتے ہیں سولنڈر لینڈ چلتے ہیں۔ آپ کے شوہر کو بہت
پسند ہے۔ تین سال پہلے میں اور آفاق کے تھے لیکن میرا
خیال ہے آپ کے ساتھ زیادہ خوش رہے گا۔“ وہ شرارت
سے آفاق کو دیکھنے لگا جو بہت غور سے عیشہ کو دیکھ رہا تھا۔
”دو ماہ تو ہو گئے ہیں تم لوگوں کی شادی کو اب نہیں کھوم
پھر آؤ۔“ زریں کے بھی کہنے پر اس نے جبراً مسکرا کر سر
بھٹکا لیا۔

”اس پر بعد میں ڈسکس کریں گے ابھی تم میرے
ساتھ چلو۔“ اسے تذبذب میں دیکھ کر آفاق زبردستی حسن
کو باہر لے گیا۔ زریں کے جانے کے بعد عیشہ نے
مسکرائی نظروں سے صومیہ کو دیکھا جو کھا جانے والی نظروں
سے اسے گھور رہی تھی۔

”یہ سب کرنا تھا تو شادی کیوں کی تھی؟۔“ صومیہ سے
اپنے بھائی کا اترا ہوا چہرہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
”یہی سب کرنا تھا اسی لیے تو شادی کی تھی۔“ وہ ایک
ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

”میں تمہاری طرح پیٹھ پیچھے وار نہیں کرتی۔ میں نے
پہلے ہی سمجھ لیا تھا صرف بدلہ لینے تمہارے گھر آ رہی
ہوں ورنہ تم سمیت تمہارے بھائی سے میں نفرت کرتی
ہوں۔“ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

”بدلہ مجھ سے لو میرے بھائی سے کیوں۔ وہ تمہارا کتنا
خیال رکھتے ہیں۔“

”تم سے ہی تو بدلہ لے رہی ہوں۔“ وہ مسکرائی۔
وہ بے خونی سے بولی تو صومیہ کشن صوفے پر جھک کر اپنے
کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے مسکرا کر صوفے کی
بیک سے ٹیک لگالی۔



”عیشہ۔۔۔“ وہ وارڈروب کھولے آفاق کے کپڑے
نکال رہی تھی جب آفاق کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ
دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
”دراصل آج ہمارے آفس میں ایک انوٹیشن کارڈ آیا
تھا جس میں شر کے سب بزنس مین دو واکف انوائسڈ
ہیں۔“ عیشہ نے اپنی بیزاری چھپانے کے لیے چہرہ
وارڈروب کی طرف موڑ لیا۔

”میں جانتا ہوں آپ کو پارٹی میں جانا زیادہ پسند نہیں
لیکن آپ کا جانا ضروری ہے پھر میرے آفس کا اسٹاف بھی

وہاں ہو گا تو اگر آپ نہ گئیں تو۔۔۔

"کب جانا ہے؟" اتفاق کا خیال تھا وہ منع کر دے گی لیکن اس کے اتنی جلدی مان جانے پر وہ مسکرا دیا۔
"آج رات کو نو بجے۔" وہ سر ہلا کر اپنے کپڑے منتخب کرنے لگی۔

رات کو مکمل تیاری کے بعد اس نے پیچھے ہٹ کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کا ارادہ بالکل بھی اتفاق کے ساتھ جانے کا نہیں تھا لیکن یہ سن کر کے اس کا اسٹاف بھی آ رہا ہے اس کا ارادہ بدل گیا تھا کہ وہاں وہاں ہو گا اور آج کی اس بھرپور تیاری کا مقصد بھی یہی تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ کتنی خوش ہے۔
زیریں نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا جبکہ صومے کی آنکھوں میں بھی ستائش اتری جو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر تانی میں بدل گئی۔ اتفاق کی بھرپور نظروں کے احساس پر وہ مسکرائی تھی اس پر صرف ایک دھن سوار تھی۔ وہاں کا اتر ہوا چہرہ دیکھے اور پھر بارانی میں ہر ایک نظر میں اس کے لیے ستائش تھی۔ ہر فرد پیل کو سراہ رہا تھا اور اسے دیکھ کر وہاں کے چہرے پر جو رنگ اترے تھے اس کا دل شاد ہو گیا۔ لیکن کچھ دیر بعد وہ سرشاری جھنجھلاہٹ میں بدلنے لگی۔ اتفاق کی بار بار خود پر انہی نظریں آج اور ہی رنگ لیے ہوئے تھیں۔ اتنی تیاری کرتے ہوئے اس کے ذہن میں صرف وہاں تھا کیونکہ چار ماہ گزر جانے کے بعد اسے اتفاق کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے ہوئے وعدے کو نبھا رہا تھا لیکن وہ یہ بھول گئی تھی جب یہاں ہر دوسری نظر بے اختیار اس پر اٹھ رہی ہے تو پھر جو شخص ہر لمحہ اس کے ساتھ ہے جس کا دل ہر لمحہ اس کے لیے دھڑکتا ہے اس کا دل کیسے بے قابو نہیں ہو گا۔ کھر آنے تک وہ جھنجھلاہٹ گھبراہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس نے غصے سے کندھے سے بے قابو ہوتے روپے کو کندھے پر نکالیا اور نوچنے والے انداز میں چوڑیاں اتارنے لگی۔

"اگر اختیار بندے کے ہاتھ میں آجائے تو اسے کتنی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔" اتفاق کی آواز پر اس نے بے ساختہ آئینے میں دیکھا جہاں وہ دروازے کے قریب کھڑا کوٹ اتار رہا تھا۔

وہاں بھی وہی عین۔۔۔ وہاں بھی وہی عین۔۔۔

"اپنی اور میری مثال۔۔۔ اللہ کو میری محبت تھی وہی جو انہوں نے بغیر اس کے آپ کو مجھے سوپ دیا

UrduPhoto.com

جبکہ آپ کو میری محبت چٹک ہے اس لیے آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ میری آزمائش کب ختم ہو گی۔" وہ اب ٹالی اتار رہا تھا لیکن اتار تا اس کا ہاتھ وہیں ساکت ہو گیا۔ وہ بے ساختہ پیچھے مڑی۔ وہ شرٹ کے بٹن کھولتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"آپ کو انداز ہے آپ کتنی خوبصورت ہیں۔ بندہ شر ہوں کسی وقت بھی ہٹ سکتا ہوں۔" وہ کانپ کر رہ گئی۔
"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔" بہت گوشش کے باوجود بھی اسے اپنی آواز میں کپکپاہٹ محسوس ہوتی تھی۔
"وعدہ تو ہو مانتی توڑنے کے لیے ہے۔" اس کے چہرے پر اثراتی ہوائیاں دیکھ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔
"جسٹ جو کنگ۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹا تو وہ تیزی سے واش روم میں گھسی۔

"سمجھتے کیا ہیں خود کو۔" دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے اس نے غصے سے قیمتی ویڈیو اسٹینڈ پر پھینکا اور منہ دھوئے لگی۔

کچھ دیر بعد جب وہ باہر تلی وہ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے آنکھیں بند کیے مسکرا رہا تھا۔

اس نے ویڈیو سائیڈ پر رکھ کر کمرے سے خود کو ڈھانپ لیا۔ اپنے قریب آہٹ محسوس کر کے اس نے ڈھانچا کمرے سر کا لیا وہ بالکل اس کے سر پر کھڑا تھا اس نے گہرا گہرے ویڈیو خود پر لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تو اس نے جلدی سے کمرے کے ساتھ اپنی ٹانگوں کو بھی سمیٹا۔ اس کے پرفیوم کی مخصوص خوشبو اس کے ارد گرد پھیلنے لگی تو اس نے بے بسی سے اپنے قریب بیٹھے اتفاق کو دیکھا۔
"کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ یہ وقت کتنا ہو گا کیا مزید کچھ ہفتے۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔
"مہینے۔" اس کی خاموشی پر وہ مزید گویا ہوا۔

"سوالوں بھی لگ سکتے ہیں۔" اچانک اس نے بولنے کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھا جہاں مسکراہٹ عائب ہو چکی تھی وہ بے اختیار مسکرائی۔

"چلیں یہ انتظار زندگی کے ساتھ ہی ہے نا زندگی کے آخری لمحے تک انتظار کروں گا۔" وہ کچھ دیر بعد اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولا جبکہ اس بار اس کی مسکراہٹ عائب ہو گئی تھی۔



"گم میں سب ٹھیک ہیں۔" فرمت کے پوچھنے پر اس

نے مسکرا کر سر ہلایا اور کوک کا کام اس اٹھایا۔
 ”جیب کہاں ہے۔“

”وہ تمہارے پیٹ کے گھر گئی ہے۔ تمہاری مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو وہاں اسے لے گیا۔“
 ”وہاں یہاں کیوں آیا تھا؟“ اس نے رک کر ان کا چہرہ دیکھا تو وہ جیسے کہہ کر پچھتا رہی تھی۔
 ”بیٹا! اس سے اکثر کلام نہ کرتا رہتا ہے۔“

”کیا کام۔ سارے مل گھر کا سامان ان کے لیے اتفاق نے ملازم رکھوایا تو تھا۔“

”ہاں۔ لیکن وہاں بار بار آ رہا تھا۔ مخالف مانگ رہا تھا تو تمہارے ابو نے ہم نے سوچا اپنی ہی پچھ ہے۔“
 ”کیا۔۔۔ وہ چیخ اٹھی۔“

”اپنا پچھ۔۔۔ میں پھر کون ہوں، کون ہوں میں ابو؟“ اس کی تیز آواز سن کر منظور صاحب بھی وہیل چیمز دھکیلتے ہوئے وہاں آگئے تھے۔

”بیٹا! وہاں کے بارے میں تم جانتی ہو، وہ میرے اکلوتے بھائی کا اکلوتا بیٹا ہے۔ بچپن سے میں نے اسے اپنا بنا سمجھا ہے جو وہاں نے کیا اسے بھلا میں بھی نہیں سکتا لیکن کچھ رشتوں کی نزاکت ایسی ہوتی ہے کہ انہیں چھوڑنا نہیں جاسکتا۔“ اس کے قریب بیٹھنے پر وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھانے لگے۔

”چلتی ہوں۔“ کچھ دیر بعد وہ کھڑی ہو گئی۔
 ”ہمارا ض ہو کر جارہی ہو؟“ فرحت اس کے پیچھے آئی تھیں۔

”نہیں۔ گھر میں کچھ کام ہے، مجھے شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ سوچا جیب کو ساتھ لے لوں لیکن۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”اللہ حافظ۔“ وہ باہر نکل آئی۔ ڈرائیور اس کے انتظار میں گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ قس قس کر دے۔
 ”آپ گاڑی آفس طرف موڑ لیں۔“ اچانک کچھ سوچ

کر اس نے کہا۔
 ”اسے دیکھتے ہی اس کی طبیعت بدل جاتی تھی۔“
 ”وہاں سے فرحت نے اپنے سامنے شعلہ بار نظروں سے غور کر لیا۔ وہاں سے وہاں کی طرف دیکھ کر اس کے دل کے اندر کچھ عجیب سی باتیں ابھرنی لگیں۔
 ”وہاں سے کبھی نہ آئے۔“

ہو گیا۔ اس کے کھڑا ہوتے ہی وہ اس کے کہنے کے آگے سے ہٹ کر اتفاق کے روم کے سامنے جا کر رہ گئی۔

”کل کی پارٹی اچھی رہی تھی۔“ حسن کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلا کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوا۔

”کل شام بھی بھا بھی کی کافی تعریف کر رہی تھی۔ میں نے تو کہہ دیا۔ میرے دوست کو داد دو جس نے اتنی خوبصورت بیوی خود ڈھونڈ لی۔“ حسن نے اپنی منگیت کا ذکر کیا تو وہ اس کے انداز پر مسکراتا رہا۔

”ہاں، وہ کتنی خوبصورت ہے۔ اس کا دل جانتا ہے لیکن وہ اس خوبصورتی کو سراہ نہیں سکتا۔ اس کے پاس

سارے اختیارات ہیں لیکن وہ ان کو استعمال نہیں کر سکتا۔ کتنی بے بسی ہے۔ کل وہ بے بس ہوا تھا بلکہ جب

جب وہ اس کے پاس ہوئی تھی، بے قابو ہونے لگتا تھا لیکن کل وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ۔۔۔ اس نے گہرا

سانس لے کر نظریں کمپیوٹر سے ہٹا کر حسن کو دیکھا۔ وہ ممکن انداز میں اخبار پڑھ رہا تھا لیکن وہ اس یقین کو توڑنا

نہیں چاہتا تھا جو عیشہ کو اس پر تھا۔ اسے اس وقت کا انتظار تھا جب وہ بھی اسے چاہے گی اور اسے یقین تھا ایک وقت ایسا ضرور آئے گا۔

اندرو داخل ہوتی عیشہ کو ان دونوں نے حیرت سے دیکھا جبکہ حسن کو وہاں دیکھ کر وہ بہ مشکل مسکرائی تھی۔

”زہے نصیب۔ آئیے بھا بھی۔“ سب سے پہلے وہی حیرت سے باہر نکلا۔ وہ سر جھٹکائے اتفاق کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”کچھ منگواؤں۔“ عیشہ کے سرفی میں ہلانے پر وہ ابرو اچکا کر اتفاق کو دیکھنے لگا جو عیشہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تینوں خاموش بیٹھے تھے۔

”میں ذرا ابھی آتا ہوں۔“ عیشہ کو سنجیدہ دیکھ کر وہ باہر نکل گیا۔ وہ تب بھی خاموش بیٹھی رہی تو اتفاق نے تشویش سے اس کا جھکا سر دیکھا۔

”عیشہ۔“

”اتفاق! اگر میں آپ سے کچھ مانگوں تو آپ مجھے دیں گے؟“

”تم کہہ کر تو دیکھو۔“ وہ جیسے کھل اٹھا تھا۔

”آپ ابھی اسی وقت وہاں کو اپنے آفس سے نکلیں دیں اور آپ مجھ سے کوئی وجہ نہیں پوچھیں گے۔“ وہ کچھ

دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"عیشہ! آفس کے کچھ روٹس۔" آفاق کی بات بوری ہونے سے پہلے وہ جھٹکے سے انھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

پھر وہ سارا راستہ کڑھتی رہی تھی۔



"آج لگتا ہے کافی زبردست کھانا پکا ہے۔" آفاق نے دس کاڑھکن اٹھاتے ہوئے چور نظروں سے عیشہ کو دیکھا جو سر جھکائے کانٹے سے پلیٹ پر کچھ لکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ناراضی کے اس اظہار پر وہ مسکراہٹ روکتا ہوا اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"صومیہ کھانا نہیں کھا رہی؟"

ثروت کو بھیجا ہے بلانے دوست کے گھر گئی تھی۔ جب سے وہاں سے آئی ہے کمرے میں ہی بند ہے۔" زریں کے کہنے پر اس نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ تب ہی صومیہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے صومیہ! کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟" وہ اسے بازو کے گھیرے میں لے کر بولا جبکہ عیشہ کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہونے لگیں۔

"میں آج اپنی دوست کی طرف گئی تھی وہ مجھے بتا رہی تھی کہ آپ نے وہاب کو جاب سے فارغ کر دیا ہے۔" صومیہ کی بھاری آواز پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ "وہ بھی بغیر کسی ریزن کے۔ آپ جانتے ہیں اسے میں نے جاب دلوائی تھی پھر وہ عیشہ کا کزن بھی تھا۔" اس نے غصے سے عیشہ کو دیکھا جس کی ساری بے زاری غائب ہو چکی تھی اور وہ بہت دلچسپی سے صومیہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"یہ آفس کا مسئلہ ہے صومیہ! تم نہیں سمجھو گی اور اتنی سی بات کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے کہیں اور جاب مل جائے گی۔ چلو شاباش کھانا کھاؤ۔" اس نے صومیہ کو اپنے سامنے والی کرسی پر بٹھادیا جبکہ اس کے برعکس عیشہ اب بڑی رغبت سے کھانا کھا رہی تھی۔

"یہ سب تم نے کیا ہے۔" آفاق اور زریں کے اٹھتے ہی صومیہ نے کھا جانے والے کھانا کو دیکھا۔

وہ کہیں گولی شک ہے۔ تمہارے لیے اگر تمہارے حال کی کو جاب دے سکتے ہیں تو میری اطلاع رکھیں گے۔ میں نے تو بتائی تھی تمہارے بھائی مجھ سے اتنا پیار

UrduPhoto.com

کرتے ہیں کہ میرے لیے اپنے اصول توڑ دیے۔ قسمت ہے نا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے مسکرا کر آفاق کو دیکھا جو پہلے ہی اس کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"تھینکس۔"

"فاروات؟"

بس ایسے ہی آپ کو تھینکس کہنے کو دل چاہ رہا تھا۔

"اس کے انداز پر وہ بھی بے نیازی سے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

"بہت بہت شکریہ! میرا شکریہ ادا کرنے کا۔"

"چائے پیئیں گے؟"

"نہیں بیوی۔"

"جی۔"

"تو میں بھی پی لوں گا۔" وہ باہر نکل گئی تو کتنی دیر تک وہ مسرور سا دروازے کو دیکھتا رہا۔



دار ذریعہ کی طرف تیسری دفعہ بڑھتے ہوئے وہ دروازے پر پہنچی تھی۔ سارے کپڑے فرش پر ڈھیر تھے۔

"کیا ہوا؟" آفاق نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے کل جو چیک دیا تھا نہیں مل رہا۔"

"کہاں رکھا تھا۔"

"آپ نے ڈائمنڈ ٹیبل پر دیا تھا تو پھر مجھے یاد نہیں آ رہا۔" اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"یہیں ہو گا۔" وہ خود بھی تلاش کرنے لگا۔

"کتنے کا چیک تھا؟"

"تین لاکھ کا۔" اور عیشہ کا سانس رک سا گیا۔

تب ہی گھبراہٹ ہوئی زریں اندر داخل ہوئیں۔

"کیا ہوا ملا۔" اس کے لٹھی میں سر ہلانے پر وہ پریشان ہو گئیں۔

صومیہ ان کے پیچھے آئی تھی سب کے برعکس وہ کافی پرسکون تھی۔

"سارے نوکروں سے پوچھ لیا ہے انہوں نے کیا ہو گا تو بتائیں گے نا۔ ویسے پہلے تو ایسا بھی نہیں ہوا۔ عیشہ! تم نے بھی تو کبھی تین لاکھ کی رقم انھیں نہیں دیکھی ہوگی۔" عیشہ نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا جبکہ زریں

نے گھبرا کر وہ اس پر چوری کا الزام لگا رہی تھی۔

تب ہی آفاق ڈر سینگ روم سے نکلا۔ صومیہ گھبرا گئی۔

”چیک ملا؟“ اس کے پوچھنے پر زریں اور صومیہ دونوں نے سکون کا سانس لیا جبکہ وہ آپ تک ساکت تھی۔

”عیشہ! تمہیں اتنی لاپرواہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔

کہاں رکھا تھا؟“ صومیہ نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کا گھبرا ہوا چہرہ دیکھا۔ آفاق نے اس کی خاموشی پر بغور اسے دیکھا۔

”کوئی بات نہیں عیشہ! گھر میں ہی کہیں ہو گا۔ اگر

نہیں ملا تو میں بینک فون کر کے فیجر سے بات کر لیتا ہوں۔“

عیشہ نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ جہاں کوئی ناراضی نہیں تھی۔

”اور اگر کیش ہو گیا تو؟“

”تو...“ وہ رکا۔ ”یہ میرا ہیڈک ہے۔ آپ کو بالکل

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مئی! آپ ایک بار پھر باہر

چیک کر لیں۔“ وہ ان کے ساتھ باہر نکل گیا جبکہ صومیہ

اپنے بھائی کے رویے پر ابھی تک حیران تھی۔

”میں جانتی ہوں وہ چیک تمہارے پاس ہے۔ بستر ہو گا

تم وہ اپنے بھائی کو واپس کر دو۔ یہ سب تم نے مجھے آفاق کی

نظروں میں گرانے کے لیے کیا تھا لیکن یہ اتنا آسان

نہیں۔ مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ہاں تم خود اپنے

بھائی کی تکلیف کی وجہ بن رہی ہو۔“ عیشہ نے صومیہ کو

دیکھا جس کا چہرہ رنگ بدل رہا تھا۔ اس کے کمرے سے باہر

نکلے ہی وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے صومیہ سے تو

کہہ دیا تھا ”اے پر دا نہیں لیکن حقیقتاً“ وہ پریشان ہو گئی

تھی۔

”عیشہ! آپ ایسے کیوں بیٹھی ہیں؟“ آفاق اسے نیچے

بیٹھا دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا۔

”یہ چیک مل گیا وہیں ڈائمنگ روم میں تھا۔ صومیہ کو

ملا ہے۔“ عیشہ جانتی تھی کہ وہ چیک اسی کے پاس ہے۔

”انہیں یہاں سے۔“ آفاق نے اسے بازو سے پکڑ کر

کھڑا کیا۔

”بیٹھیں یہاں۔“ وہ اسے صوفے پر بٹھا کر خود بھی اس

”میں نے آپ سے کہا نا پریشانی والی کوئی بات نہیں بہر

”چیک بھی مل گیا ہے۔“ عیشہ نے گردن ہٹا کر اس کا چہرہ

دیکھا اور کتنی دیر تک دیکھتی رہی۔

”عیشہ...“ آفاق نے بہت پیار سے اس کے چہرے

کو چھوا تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

”میں ٹھیک ہوں۔“

”چلیں پھر میں شام کو آپ سے بات کرتا ہوں اور بالکل

نیشن لینے کی ضرورت نہیں۔“ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

”چلو اچھا ہوا آج صومیہ کو مزہ آیا اور اس کے بھائی کو

بھی۔“ دماغ نے قہقہہ لگایا تو وہ اضطرابی انداز میں پسوا

بدلنے لگی۔ ”یہ اس شخص کے ساتھ زیادتی ہے۔“ دل

نے سرزنش کی۔

”وہ بہت اچھا ہے۔“ دل ایک ہی تکرار کرنے لگا تو وہ

گھبرا گئی۔

”میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔“ اس کے کمزور لہجے

پر دل نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی

اور کمرے سے باہر نکل گئی۔



دور تک پھیلے سبزے نے اس کی نظروں کو ٹھنڈک

پہنچائی تھی۔ وہ سلیپر اتار کر غم گھاس پر چلنے لگی۔ اس نے

آبشار کے پتھروں کو چھوا پھر مسکرا کر نیچے گرتے پانی کو ہتھیلی

میں رکھنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہ مسکراتے ہوئے سیدھی

ہو گئی۔

”آپ...“ اس نے حیرت سے سامنے کھڑے آفاق کو

دیکھا جو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے مظلوظ نظروں سے اسے

دیکھ رہا تھا۔ وہ جھنجھپ کر سر جھکا گئی۔

”اچانک آنکھ کھلی تو دیکھا آپ کمرے میں نہیں تھیں

پھر آپ کو ڈھونڈتا ہوا یہاں آیا۔“ وہ مسکراتا ہوا اس کے

قریب بیٹھ گیا۔

”اچھا ہوا میں آگیا“ ورنہ اس نظارے سے محروم رہ

جاتا۔“ اس کی شرارت محسوس کر کے اس کا سر مزید جھک

گیا۔

”ویسے آپ کی اسی بے ساختگی نے ہمیں آپ کا دیوانہ

کیا تھا۔“ اس آفاق کے انداز پر نظریں چرا کر وہ پانی میں

ہاتھ چلانے لگی۔

”آپ کو یاد ہو گا پہلی بار ہم اسکول میں ملے تھے۔“ وہ

لماقات یاد آنے پر عیشہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

عیشہ نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا جو اس کی بجائے

سامنے دیکھ رہا تھا اور ہونٹوں پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ

تھی جیسے وہ منظر اس کے سامنے پھر زندہ ہو گیا ہو۔

"اس دن میں آپ کو دیکھ کر غیر ارادی طور پر رکنا تھا اور جب آپ نے بال کھول کر آسمان کو دیکھا تب مجھے لگا میں وہاں سے مل نہیں سکوں گا۔ آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں لیکن اب آپ ہمیشہ انہیں باندھ کر رکھتی ہیں بالکل اپنے دل کی طرح۔" اس کے اچانک بات بدلنے پر وہ مسکرا کر سر جھکا گئی۔

"میں پہلی نظر میں تو آپ کی خوبصورتی سے انبہا ہو رہا تھا لیکن محبت اس احساس کی وجہ سے ہوئی جو آپ کو دیکھ کر محسوس ہوا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے پاس سب کچھ ہوتا ہے لیکن پھر بھی کوئی ایک کمی رہ جاتی ہے۔ بابا کی ڈینہ کے بعد میں بھی ایسا محسوس کرنے لگا تھا۔ بہت اکیلا، ادھورا سا لیکن میں بڑا تھا، خود کو کمزور ظاہر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اگر میں کمزور پڑ جاتا تو ممی اور صومیہ کو کون سنبھالتا۔ ممی اور صومیہ کو میری ضرورت تھی ان کو میں نے کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ جب میں ان کے آنسو پونچھ رہا ہوتا ہوں تو میرا دل بھی رو رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دل کی ہر بات، ہر پریشانی مجھ سے شیئر کرتی ہیں لیکن میں اپنی پریشانی انہیں نہیں بتا سکتا۔ حسن میرا بہت اچھا دوست ہے، میں اس سے ہر بات کرتا ہوں لیکن پھر بھی کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دل چاہتا ہے کسی ایسے شخص سے کی جائیں جو اپنا ہو جس پر اپنا آپ عیاں کر کے آپ کو شرمندگی نہ ہو، کوئی ڈرنہ ہو یہ احساس مجھے آپ کو دیکھ کر ملتا تھا۔ بتا نہیں لیکن آپ کو دیکھتے ہی وہ نفسی جو سالوں سے میرے اندر پنپ رہی تھی وہ مٹنے لگی تھی۔ صرف ایک لمحہ لگا تھا مجھے یہ جاننے میں کہ میرا گمشدہ حصہ میرے سامنے ہے۔ آپ کو مانے کے بعد مجھے اپنا آپ مکمل محسوس ہونے لگا ہے لیکن اب اگر کسی مل یہ سوچوں کہ آپ میرے پاس نہ ہوں تو میری سانسیں رکنے لگتی ہیں۔" عیشہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اتنی محبت پر وہ حیران تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی نظریں خود ہی جھک گئیں۔ اس کی باتوں نے اس کے پورے وجود میں ہلچل مچا دی تھی۔

وہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ اپنی کار کسی کو پلائے نہیں دیتے ہوں پاپا ایک اس کی نظر گہرا بن گئی کھڑی سڑک پر تھی۔

"صومیہ نے شکایت کی ہوگی۔" وہ مسکرایا تو وہ چپ رہی پھر دوبارہ اس کا چہرہ دیکھا۔

"اگر میں کہوں کہ میں آپ کی کار چلاؤں تو کیا آپ مجھے اجازت دیں گے؟"

"آپ کو ڈرائیونگ آتی ہے؟"

"سیکھی تو تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مسکرایا تو عیشہ حیرت سے رک گئی۔

"واقعی۔"

"اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے مجھے سمیت میری ہر چیز پر آپ کا حق ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا جبکہ وہ اپنی جگہ سے مل بھی نہیں سکی۔

"آفاق۔۔۔" اس کی پکار پر وہ حیران ہو کر مڑا۔

"آپ مجھے تم کہا کریں آپ بہت عجیب لگتا ہے۔"

آفاق نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔ کیا اس کی محبت نے اس کے دل پر پہلی دستک دے دی ہے؟ وہ ایک بار پھر اس کے ساتھ چلنے لگی۔ عیشہ نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بمشکل اس کے کندھے تک پہنچ رہی تھی جبکہ بلیک لیڈر کے سیلپر میں نظر آتے پاؤں اس کے ہم قدم تھے۔ سیاہ ٹی شرٹ سے جھاٹکا بازو اور یہ ہاتھ اس کا دل چاہا وہ اس ہاتھ کو تھام لے۔ دل کی فرمائش پر وہ گھبرا کر رک گئی۔

"کیا ہوا؟" آفاق نے رک کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ تیزی سے اندر بڑھی۔ پہلے تو وہ حیران ہوا اور پھر اس کے چہرے پر بہت خوبصورت مسکراہٹ نے جگہ بنالی۔



"بابی! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" عیشہ نے گہرا سانس لے کر آنکھیں کھول دیں اور پاس بیٹھی جیب کو دیکھا جو متفکر چہرہ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں جب بھی آتی ہوں جیب! تم ایک ہی سوال بار بار کرتی ہو، تمہیں کیوں شک ہے کہ میں ٹھیک نہیں۔" وہ اب جھنجھلا گئی تھی۔

"آفاق بھائی ٹھیک ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"آپ کے ساتھ ٹھیک ہیں؟"

اس نے لمبی سانس لی۔ تب ہی فرحت اندر داخل ہوئیں تو حبیبہ کا مزید سوال پوچھنے کا ارادہ ملتوی ہو گیا۔
 "عیشہ! کیا پاؤں تمہارے لیے۔"

"کچھ بھی پکائیں میں صمان تھوڑی ہوں۔"

"تم تو نہیں ہو مگر آفاق بھی تو کھانا کھائے گا۔"

"میں آج بیس رہوں گی" ہو سکتا ہے آفاق نہ آئیں۔"

آفاق کو اندر آنا دیکھ کر فرحت حیران ہوئیں پھر مسکرا کر بولیں۔

"بیٹھو بیٹا!" آفاق نے حیرت سے کارپٹ پر بیٹھی عیشہ کو دیکھا جو سر صوفے پر رکھے شاید سو رہی تھی۔ فرحت نے افسوس سے عیشہ کا حلیہ دیکھا۔

"عیشہ۔۔۔" انہوں نے اسے اٹھانا چاہا۔

"رہنے دیں آنٹی!" غنودگی میں اسے آفاق کی آواز کا گمان ہوا۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور آفاق کو دیکھ کر ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی۔ پاس رکھی تیل کی شیشی الٹ گئی۔ اس نے جلدی سے اسے سیدھا کیا جو کارپٹ پر نقش و نگار بنا چکی تھی۔ آفاق زیر لب مسکراتے ہوئے اس کی بو کھلا ہٹ دیکھ رہا تھا۔

"آپ کب آئے؟"

"ابھی ابھی۔" وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"آنٹی! اٹکل کہاں ہیں؟" آفاق نے فرحت سے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں تھے میں دیکھتی ہوں۔"

اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود باہر نکل گئیں۔ عیشہ نے گھڑی کی طرف دیکھا جہاں رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ کچھ حیران ہو کر آفاق کو دیکھنے لگی جو بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نیلی قمیض و کالی شلوار، دوپٹے سے بے نیاز، تیل سے تر بالوں اور آنکھوں میں نیند کا شمار لیے وہ اسے بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی مسلسل خود پر جہمی نظروں سے اسے اچانک اپنے حلیے کا احساس ہوا۔

اس نے فوراً "جھک کر نشن پر سے حبیبہ کا پیلا دوپٹہ اٹھا لیا۔ کالے نیلے سارے کامیونشن کو دیکھ کر آفاق کی ہنسی بے قابو ہوئی تھی جبکہ اس کا شمار اس کے دل کے گہرے اب

کھسارٹ کا کار ہو گیا تھا۔

کھسارٹ کا کار ہو گیا تھا۔

کھسارٹ کا کار ہو گیا تھا۔

"جی۔۔۔" وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔
 "دراصل می کو تم سے کام تھا تو انہوں نے کہا تمہیں لے آؤں۔" اس کے ہمانے پر وہ تلملہ کر رہ گئی۔

"جاؤ عیشہ! ہو سکتا ہے ان کو ضروری کام ہو۔"

اسے مزید بحث کے موڈ میں دیکھ کر فرحت نے بھی ٹوک دیا تو وہ پیر پٹختے ہوئے کمرے میں آگئی۔ جب وہ کپڑے بدل کر آئی تو وہ گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"میں صبح آپ سے کہہ کر آئی تھی کہ میں آج رہوں گی پھر۔۔۔" وہ بیٹھتے ہی غصے سے بولی۔

"ہاں کہا تو تھا پر مجھے تمہارے بغیر رات کو نیند نہیں آتی۔" وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"میں کیا رات کو۔۔۔" آدھا جملہ بول کر اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا لیکن اس نے آدھے جملے کا بھی مزہ لیا تھا۔

"رات کو کیا؟"

"لوریاں سناتی ہوں۔" اس کے جملے ہوئے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"لیکن تمہاری موجودگی میرے لیے کسی لوری سے کم نہیں ہوتی۔"

"ہو نہ۔" وہ سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
 "چلو ڈنر کرتے ہیں صبح سے میں نے کچھ نہیں کھایا۔"

ریسٹورنٹ دیکھ کر اس نے گاڑی روک دی۔

"میں اس جلسے میں باہر نہیں جاؤں گی۔" اس نے اپنے تیل سے بھرے سر کی طرف اشارہ کیا تو وہ گاڑی سے باہر اتر گیا۔

"آؤ۔" وہ اس کی سائیڈ کا دروازہ کھول کے کھڑا تھا۔
 "پلیز آفاق! لوگ کیا کہیں گے۔"

"کہیں گے کتنی خوبصورت لڑکی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا تو وہ مجبوراً "باہر نکل آئی۔"

"اٹکل کہہ رہے تھے میں دہاب کو دوبارہ جاب پر رکھ لوں۔" کھانے کے دوران اس نے دوبارہ وہی موضوع پھینچ دیا۔ اس نے ناگواری سے سر جھٹک لیا۔

"جب تمہارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں تو غصہ کیوں؟"

"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔" عیشہ نے غصے سے اسے دیکھا۔ یہ خدشہ بھی اسے آج ہی لاحق ہو تھا۔

”واٹ؟“ وہ حیران رہ گیا۔

”میرے بارے میں سوچ رہی ہو۔“ اس کے ذریعہ لب مسکراتے پر اس نے گھبرا کر سر اٹھی میں بلایا۔

”اچھا! دراصل تمہارے چہرے پر میرا عکس کافی واضح نظر آ رہا تھا۔“ عیشہ کا ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے کی طرف بڑھا بیٹھے وہ اسے چھپانا چاہ رہی ہو۔ اس کے قہقہے پر اسے اپنی حرکت کا احساس ہوا تو وہ مزید نزویں ہو گئی۔

”بہت برے انسان ہیں آپ۔“ وہ غصے سے کھڑی ہوئی۔

”میں کیوں تم پر شک کروں گا؟ وہ بھی وہاں کے حوالے سے جبکہ میں جانتا ہوں تم میری بیوی ہو۔“ وہ رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”تم نے مجھے اتنا گھٹیا سمجھ رکھا ہے۔“ اچانک وہ چپ ہو گیا تو اس نے ہمت کر کے سر اٹھایا، وہ خاموشی سے چادلوں میں بچ کر کھمارہا تھا اور پہلی بار اسے تکلیف میں دیکھ کر اسے اچھا نہیں لگا۔

”آئی ایم سوری آفاق!“ اس کا لہجہ کافی نادم تھا۔ آفاق اسے روہانسا دیکھ کر مسکرا دیا۔

”آئندہ ایسا مت کرنا، میں کبھی تم پر شک نہیں کر سکتا۔ میں صرف تمہیں معاف کرنے کو کہہ رہا ہوں کیونکہ اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ عیشہ کچھ دیر اس کا مہربان چہرہ دیکھتی رہی پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا لیا۔

”ہاں بیٹا! لیکن ڈراؤ تو مارکیٹ تک لیا ہے۔“

”میں آفاق کی گاڑی میں جا رہی ہوں۔“ اسے مسلسل نظر انداز کرتی صومیہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”وہ صبح مجھے چالی دے گئے تھے۔“ اس نے مسکراتی نظروں سے صومیہ کا حیران پریشان چہرہ دیکھا۔

”میں جاؤں؟“

”تم دماغ سے بہت سوچتی ہو، کبھی کبھی دل کو بھی بولنے کا موقع دیا کرو۔“ وہ شرارت سے بولا تو اس کی بات سمجھ کر بھی بے نیازی سے بولی۔

”میں دل کو زیادہ لفٹ نہیں کرواتی لفٹ کروانے کی دیر ہوتی ہے۔ یہ تو سرچڑھ کر بولنے لگتا ہے“ اس لیے میں ہمیشہ دماغ کی سنتی ہوں۔“ آفاق نے ابرو اچکائے جیسے اس کے خیالات سن کر متاثر ہوا ہو۔

”ہاں۔“ اس کے اجازت طلب کرنے پر اپنی حیرت کو پس پشت ڈال کر انہوں نے اشارت میں سر ہلایا۔ وہ گنگناتے ہوئے بڑی احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ آفاق کو سوچتے ہوئے اس کے ہونٹ خود بخود مسکراتے لگے۔

”آپ کو اندازہ ہے آپ کتنی نرہ صورت ہیں۔“ بہت قریب سے یہ آواز سنائی دی تو اسٹیمرنگ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔

”پھر تو تم بہت لگی ہو جو دل پر تمہیں قابو ہے۔ میرا دل تو بہت خود سر ہے۔ ہمیشہ اپنی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود میں دل کی بات مان کر بہت پر سکون رہتا ہوں۔ تم بھی کبھی اس کی بات سن کر دیکھو، بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔“ وہ اس کے گہرے انداز پر ایک نظر اسے دیکھ کر ارد گرد بیٹھے لوگوں کو دیکھنے لگی۔

تب ہی سائیڈ سے نکلتی کار کو دیکھ کر وہ بوکھلا گئی اور رائٹ ٹرن کرنے کی کوشش میں گاڑی ایک مونز بانیک سے ٹکرا کر دیوار سے جا لگی اور اس کا سانس رک سا گیا۔ کافی لوگ گاڑی کے گرد اکٹھے ہونے لگے جبکہ کچھ اس بانیک کے سوار کو دیکھ رہے تھے وہ حواس یکجا کرتے ہوئے باہر نکلی۔ گاڑی کا پمپریڈ لائٹ ٹوٹ گئے تھے جبکہ دائیں طرف سے کافی جھمے میں ڈینٹ بھی پڑ گیا تھا۔

”چتا نہیں“ آپ کے مسئلے حل ہوتے ہوں گے میں تو دل کے ہاتھوں پریشان ہو گئی۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔

”گاڑی میں بیٹھ کر آپ لوگوں کو نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔“ مونز بانیک کا سوار شخص اس کے سر پر کھڑا ہو کر گر جا تو وہ پریشانی سے اس کی پیشانی پر لگے زخم کو دیکھنے لگی۔ لوگوں کا بڑھتا ہجوم دیکھ کر وہ سخت نزویں ہو رہی

”میں وہاں کو دوسری برانچ میں اپائنٹ کروں گا کیونکہ اٹکل آئی نے مجھ سے بات کی ہے تو میں انہیں منع نہیں کرتا میں اپنے دل کو اس شخص کا ہونے سے روک رہا ہوں۔“ وہ انداز میں لگا، دھکی دھکی لگا کر ہلکی آواز میں کہنے لگا۔

”ہم تک کر کچھ کہہ رہا تھا۔“

تھی۔ پولیس اسٹیشن کا نام سن کر اس کے آنسو نکل آئے۔ وہ جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھی۔ موبائل نکال کر اس نے آفاق کا سیل نمبر ملا یا وہ آف تھا۔ اس کے روم کا نمبر بھی بڑی تھا۔ اس نے حسن کو فون کیا۔

”حسن بھائی! آفاق کا موبائل کیوں آف ہے؟“ اس نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”خیریت بھائی! وہ میرے ساتھ ہے۔“ وہ کچھ پریشان ہو کر بولا۔

”انہیں فون دیں۔“

”ہیلو عیشہ! کیا ہوا؟“ وہ حیران ہونے سے زیادہ پریشان ہوا تھا۔

”آفاق۔“ وہ ایک دم رونے لگی۔

”کیا ہوا عیشہ!“

”گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔“

”تم ٹھیک تو ہو۔“ وہ گھبرا گیا۔

”آپ یہاں آجائیں۔“ اسے ایڈریس بتا کر اس نے فون بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد گاڑی سے نکلے آفاق اور حسن کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

”تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟“ آفاق تیزی سے اس کے قریب آیا اور بے چینی سے اس کا جائزہ لیا۔ اس نے روتے ہوئے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

”تم ایسا کرو بھابھی کو لے جاؤ میں یہ معاملہ نمٹا کر آتا ہوں۔“ عیشہ کی گھبرائی ہوئی شکل اور کافی تعداد میں کھڑے لوگوں کو دیکھ کر حسن نے آفاق سے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف آ گیا۔

”بس اب آرام سے لیٹ جاؤ۔“ اسے بیڈ پر بیٹھا دیکھ کر وہ خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ لیکن وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ جب کہ رکے ہوئے آنسو پھر بننے لگے۔

”عیشہ ایسے کیوں رو رہی ہو؟ کہیں چوٹ لگی ہے تو مجھے بتاؤ۔“ وہ پریشانی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”آپ کی گاڑی۔“ اس کا دماغ وہی اٹکا ہوا تھا۔

”گاڑی تم سے زیادہ تو نہیں ہے میرے لیے یہی بہت ہے کہ تم ٹھیک ہو۔“ گاڑی ٹھیک بھی ہو سکتی ہے نئی بھی

رہ سکتی ہے لیکن اگر تمہیں کچھ ہو جائے تو میں نئی عیشہ کہاں سے ملے گی کہ آج وہ آخر میں شہر سے بھلا تو اس کے انسوؤں میں مزید روالی آئی۔

رہ میں رہے یہ سب جان بڑھا کر نہیں کیا آفاق کو تو وہ صرف

ایک لمحے کے لیے حیران ہوا تھا۔ پھر اس کے گرد اپنے باز پھیلا لیے۔

”میں جانتا ہوں عیشہ!“ دروازے پر ہونے والی دستک پر عیشہ نے اپنا سر اس کے کندھے سے اٹھایا تو وہ ایک نظر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے کھڑے حسن کو اس نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو وہ بو کھا کر رو گیا۔ اس کے پیچھے گھبرائی ہوئی زریں اور سرخ چہرہ لیے صومیہ بھی اندر داخل ہوئے۔

”اب کیسی طبیعت ہے بھابھی؟“ حسن کے پوچھنے پر اس نے سنبھل کر اثبات میں سر ہلایا۔

”تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟“ زریں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا تو اس نے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا۔ آفاق کے سیل پر بسپ ہوئی تو سب اسے دیکھنے لگے۔

”آ رہا ہوں۔“ وہ سیل فون بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”اب تمہیں کہیں بھی اکیلے جانے کی ضرورت نہیں۔“ ڈرائیور کے ساتھ جانا اور نہ مجھے کال کر لیا کرو۔ لیکن اکیلے بالکل نہیں۔“ اس کے انداز پر حسن قہقہہ لگا کر فیس پڑا تو وہ مسکراتے ہوئے واپس مڑ گیا۔ جب کہ اس کی نظریں ان قدموں پر جا رہی تھیں جن کے نشان وہ قالین کی بجائے کہیں اور ثبت ہوتے محسوس کر رہی تھی۔ اس کے نکلنے ہی وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔



کمرے میں داخل ہوتے ہی آفاق کے منخوس پر فوم نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹالی باندھ رہا تھا۔

”آئی کہہ رہی ہیں۔ حسن بھائی کا فون آیا ہے وہ لوگ آدھے گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔ آپ صومیہ کو بیوی پارلر سے لے آئیں۔“

”ڈرائیور نہیں گیا؟“ وہ بیگرے کوٹ اتارتے ہوئے بولا۔

”کسی کام سے گیا ہے۔“

”تم تیار نہیں ہوئیں؟“

”جی بس جا رہی ہوں۔“ وہ ڈھیلے قدموں سے چلتی ہوئی اندر آگئی۔

میں کھلے بالوں کے ساتھ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ لیکن اس کے بار بار دیکھنے کی وجہ اس کی نظریں نہیں۔ جنہوں نے اسے عجیب سے احساس میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی نظریں اس پر سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ ”کھانا کھایا تم نے؟“ وہ کرسی ٹھیکٹ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

”جی۔“ اس نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر نظریں چرا لیں۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ اسے اٹھا دیکھ کر وہ بے ساختہ بولا۔

”آئی کے پاس۔“ عجیب کھڑا ہوا انداز تھا۔ اتفاق نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”تم مجھ سے بھاگ کیوں رہی ہو؟“

”نہیں تو۔۔۔“ وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔

”تو پھر بیٹھ جاؤ۔“ اس نے دوبارہ اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ اور خود اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا جبکہ وہ گم صدم سی اس کے ہاتھوں کی گرفت میں اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد سارا وقت وہ بے چین رہی اور اپنے کمرے تک آتے آتے وہ بالکل نڈھال ہو چکی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر وہ غور سے اپنا چہرہ دیکھنے لگی۔

”تم ٹھیک تو ہو عیشیا“ دروازہ بند ہونے پر اس نے سر اٹھایا۔ اپنے پیچھے نظر آتے اتفاق کے عکس پر اس کی نظریں جم گئیں یہاں تک کہ وہ اس کے بالکل پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ ان نظریں کا رنگ آج بہت مختلف تھا۔ شاید یہ رنگ اس کی اپنی نظریں کی وجہ سے تھے۔

”یہ شخص تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ اس کی محبت پر تمہارا حق ہے۔“ دل نے نرمی سے سمجھایا، جب کہ اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو اسے اپنے حصار میں لے رہی تھی۔ ان آنکھوں میں اس کے لیے اتنی شدتیں تھیں کہ اس کا دل ان پناہوں میں جانے کے لیے بے قرار ہو گیا۔ اس نے بے اختیار اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ اپنے گرد پھیلے پیار بھرے حصار کو وہ پوری طرح محسوس کر سکتی تھی۔

اچانک ہونے والی سیل فون کی بلبب پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی اور اس حصار کو توڑ کر پیچھے ہٹی۔ اتفاق نے موبائل کوٹ کی جیب سے نکالا۔ اسکرین پر حسن کا نمبر دیکھ کر اس نے

”یہ اچھا لگے گا۔“ وہ غائب دماغی سے ڈیگرالٹ پلٹ کر رہی تھی۔ جب اتفاق کی آواز پر اس کا ہاتھ رک گیا۔ وہ میروں سوٹ نکال کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی غائب دماغی دیکھ کر وہ اس کے قریب آ گیا۔ خوشبو اس کے حواسوں سے ٹکرائی تو وہ چونک کر سنبھلی۔

”میں کتنے دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ تم بہت چپ چاپ رہنے لگی ہو۔ جہاں میں ہوتا ہوں وہاں سے چلی جاتی ہو۔ مجھ سے ناراض ہو؟“ اس کے پیار بھرے انداز پر بڑی مشکل سے اس نے خود کو کمزور پڑنے سے روکا۔

”پھر کسی نے کچھ کہا ہے؟“ وہ اس کا چہرہ بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے سر نشی میں بلا کر جھکا لیا تھا۔

”دیر ہو رہی ہے آپ صومیہ کو لے آئیں۔“ وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف مڑ کر چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔ وہ کچھ دیر آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھتا رہا۔

”تم بھی تیار ہو جاؤ۔“ اس کے سر ہلانے پر وہ باہر نکل گیا تو وہ ایک دم سیدھی ہوئی۔ ہر طرف وہی خوشبو پھیل رہی تھی۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگالی۔

آج صومیہ کی منگنی تھی۔ حسن کے بھائی پرویز سے۔ وہ بہت حیران ہوئی تھی کہ وہاں کی بجائے پرویز اور حیرت کا دو سرا جھٹکا اسے پرویز کو دیکھ کر لگا۔ جو عام سی شکل و صورت کا تھا۔ وہ اپنی حیرت کے باوجود کچھ پوچھ سہیں سکی۔ صومیہ بار بار کھوجتی ہوئی نظریں سے اسے دیکھتی اور وہ اس کی نظریں محسوس کر کے بھی خاموش تھی۔ وہ اپنی کیفیت سے پریشان تھی۔ اسے لگتا تھا اتفاق اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو رہا ہے۔ ہر گزرتا دن اسے اس کی طرف کھینچ رہا تھا۔ اسے خود سے ڈر لگنے لگا تھا۔ وہ کمزور پڑ رہی تھی۔

”عیشیا۔“

”جی۔“ زریں کی آواز پر وہ ہڑپا کر سیدھی ہوئی۔ ”تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟“ انہوں نے حیرت سے اس کا حلیہ دیکھا۔

”جی بس جا رہی تھی۔“ وہ جلدی سے داش روم میں گھس گئی۔

UrduPhoto.com

زریں سے باتیں کرتے ہوئے وہ گاہے گاہے اس پر بھی نظر ڈال رہا تھا۔ جو اس کے پسند کیے ہوئے میروں سوٹ

UrduPhoto.com

پے اختیار و انتہا پڑے۔

"بیشک لحاظ وقت پر اتنی دیرتا ہے۔" زہرا لب بوزراتے ہوئے اس نے فون بند کر کے عیشہ کا چہرہ دیکھا جو سپاٹ ہو چکا تھا۔

"عیشہ۔" وہ اس کی طرف بڑھا لیکن وہ تیزی سے اس کے پیلو سے نکلتی ہوئی راش روم میں داخل ہو گئی۔ اس کا پورا چہرہ جل رہا تھا۔ آنسو بہتے چلے گئے۔

جب وہ منہ دھو کر باہر نکلی تو آنکھوں کے ساتھ پورا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔

"تم کس کو سزا دے رہی ہو عیشہ! مجھے یا خود کو؟" آفاق کی بجھی ہوئی آواز پر چادر ٹھیک کرتا اس کا ہاتھ ایک لمحے کو رک گیا۔ لیکن پھر اسے دیکھے بغیر اس نے چادر منہ پر لے لی۔ جب کہ وہ کتنی دیر تک صوفے کو دیکھتا رہا۔



"آپ نے مجھے بلایا تھا۔" عیشہ نے فرحت کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔ چہرہ کیوں اتنا اترا ہوا ہے؟" فرحت نے تشویش سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ بتائیے۔" وہ قدرے مسکرا کر بولی۔

"دراصل کل تمہارے تایا اور تائی آئے تھے وہاب کے لیے۔" وہ رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ "حبیب کا رشتہ لے کر۔" عیشہ نے ایسا اچکا کر انہیں دیکھا۔ وہ اس کے رد عمل کا انتظار کر رہی تھیں۔ لیکن اس نے آنکھیں بند کر کے صوفے سے ٹیک لگالی۔

"تم کچھ کہو گی نہیں؟" وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"میں کیا کہوں، جو آپ کو مناسب لگے۔ ویسے حبیب سے ضرور پوچھ لیں۔" فرحت کتنی دیر حیرت سے اسے دیکھتی رہیں۔ ان کا خیال تھا وہ طوفان اٹھارے گی۔

"حبیب سے پوچھا تھا، لیکن وہ کچھ بولتی ہی نہیں۔ شاید تمہاری وجہ سے قانع کر رہی ہے۔"

"میری وجہ سے کیوں؟" اس نے لیک دم آنکھیں

مکھائی۔ "پھر مجھے سمجھ آئے پر سر ہٹا دیا۔"

"میں بات کرانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" وہ

اطمینان سے مسکرائی تو وہ حیران ہوتے ہوئے کچن میں پہلی گئیں۔ جب کہ وہ ایک بار پھر آفاق کو سوچنے لگی۔

دور نیل کی آواز پر فرحت باہر نکلیں تو اس نے آنکھیں کھول دیں اندر آتے وہاب کو دیکھ کر اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ وہاں کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ گہرا سانس لے کر سیدھی ہو گئی۔

"چلو وہاب! آج تم سے نفرت کا رشتہ بھی ختم ہوا۔" وہ جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی۔ اس کی مسکراہٹ نے وہاب کے ساتھ فرحت کو بھی الجھنے میں ڈال دیا۔

"تمہارے چاچو سو رہے ہیں، تم بیٹھو میں آتی ہوں۔" فرحت اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود کچن میں چلی گئیں۔

"کیسی ہو؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ آفاق سر نے مجھے دو سری برانچ میں لپاٹ کر لیا ہے۔"

"اس فارمیسی کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے اپنی حرکت پر افسوس ہے۔"

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" وہاب اس کی طرف دیکھ رہا تھا جو بہت مختلف لگ رہی تھی۔

"نہیں۔"

"تمہیں مجھ پر کوئی غصہ نہیں؟" وہ حیران ہوا۔

"تھا پر اب نہیں۔ کیونکہ جو تم نے کیا اس میں تمہارا بھی قصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا چاہتے تھے کیونکہ یہ تو پہلے دن سے طے تھا کہ آفاق میرا نصیب ہیں۔ لیکن وجہ تم اور صومیہ بنے۔ اچھا ہوا جو ہوا۔ خیر چھوڑو امی بتا رہی تھیں کہ تایا ابو اور تائی امی آئے تھے۔" وہاب نظریں چرانے لگا۔

"امی ابو چاہتے ہیں جب کہ میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر پایا، میں شاید تمہیں نہیں بھول سکتا۔" وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا تم مجھے بھول سکتی ہو؟" وہاب کے لیے پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ جسے وہ کوئی نام نہ دے سکا۔

"تم غلط سوچ رہے ہو۔ ہاں پہلے مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔

ظاہری بات ہے اتنے سال ہماری بات رہی انیت ہوئی جاتی ہے۔ لیکن وہ صرف انیت تھی تم نے ہی کہا تھا کہ ہم کبھی ایک نکتے پر متفق نہیں ہوئے۔ وہ اس لیے کہ ہم میں محبت نہیں تھی۔ ورنہ تم بھی کمزور نہ پڑتے۔ اور نہ ہی

کن میں خوش ہوتی۔ محبت کیا ہوتی ہے یہ میں نے آفاق سے سیکھا ہے۔ تم اکثر کہا کرتے تھے جس محبت کی شدت کی میں متقاضی ہوں وہ اب بس افسانوی باتیں بن کر رہ گئی ہیں۔ مالا مال افسانہ بھی تو حقیقت کے پہلو سے جنم لیتا ہے۔ تمہاری سوچ غلط تھی وہ اب ایسی محبت اب بھی ہوتی ہے۔ آفاق نے مجھ سے ویسی ہی محبت کی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ محبت دی ہے جو میری سوچوں میں تھی۔ اس کے چہرے پر اتنے خوبصورت رنگ تھے کہ اس کا وجود جل اٹھا۔ عیشہ نے چونک کر اس کا ضبط کے مارے سرخ زنا چہرہ دیکھا۔

”اگر تمہارے دل میں کوئی جذبہ ہے تو بھول جاؤ۔ صرف اتنا یاد رکھو کہ میں نے تم سے کبھی محبت نہیں کی۔ صرف ایک شخص سے محبت کی ہے جس کا نام آفاق ہے اور اسی سے کرنی رہوں گی۔“ وہ بہت مضبوط لہجے میں بولی۔

”اور ہاں حبیب بہت اچھی ہے۔ گھر بنانا جانتی ہے۔ تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم بھی اس سے مخلص رہو اور اس بار کسی بھی صومبیہ کے لیے حبیب کو نہ کھوٹا۔“ بات کے اختتام پر اس نے ایک گہری نظر وہاب کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر ڈالی جہاں کچھ کھونے کا احساس بہت نمایاں تھا۔ وہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔



اپ اسٹک لگاتے ہوئے اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ اس نے تیزی سے ہاتھ چلانے شروع کر دیے۔

بالوں میں برش کر کے اس نے انہیں کھلا چھوڑ دیا۔ کیونکہ آفاق کو اس کے کھلے بال پسند تھے۔ آج شادی کے گیارہ ماہ بعد وہ دل سے تیار ہوئی تھی صرف آفاق کے لیے۔

باہر بجنے والی ٹیل پر اس کا دل دھڑک اٹھا۔ دوپٹہ لیتے ہوئے وہ باہر آگئی۔ وہ حبیب سے باتیں کرتے ہوئے اندر آکر پہنچا۔ اس پر نظر پڑنے لگی تھیں کہ وہ کتنی خوبصورت لگتی ہیں۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں حبیب نے بھی دیکھا۔ ان دونوں کی باتیں کہ نظر انداز کر کے ہو گئے۔ وہ اندر آکر وہاب کے پاس پہنچے۔ وہاب نے آفاق کو دیکھا اور وہاب کی

منگنی کا بتا رہے تھے۔ حبیب نے فوراً اس کا چہرہ دیکھا لیکن وہ بڑے ٹکڑے ٹکڑے انداز میں چائے پی رہی تھی۔ ”اچھا انکل! اجازت۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے مسکرا کر عیشہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی گھڑی ہو گئی۔

”باجی آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔“ حبیب نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے بڑے پیار سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ”جانتی ہوں تمہارے آفاق بھائی کی نظروں میں تیار ہیں تمہیں۔“ اس کے کھلکھلاانے پر حبیب نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

”اب تم بھی اپنے بچوں کی طرح ہاں کر دو اور امی کو زیادہ تنگ نہ کرو۔“ حبیب کا چہرہ رونے والا ہو گیا۔

”یا گل ہو تم حبیب! اگر تمہیں میری ناراضی کا ڈر ہے تو یہ ڈر دل سے نکال دو۔ میرے دل میں وہاب کے لیے کوئی جذبہ نہیں۔ ہاں لیکن تمہارے حوالے سے قابل احترام رہے گا۔ وہ ایک بار کھو کر کھا چکا ہے۔ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔“ حبیب کا سرخی مائل چہرہ دیکھ کر وہ ہنسنے لگی۔

”اب کوئی فضول سوچ نہ پالنا“ اللہ تعالیٰ نے وہاب کو تمہارے نصیب میں لکھا تھا۔“ حبیب کا گل تپتپتا کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

”آپ آفاق بھائی کے ساتھ خوش ہیں؟“ ”بے حد۔“ اس کے برعکس انداز پر حبیب کے دل میں انکی آخری پچانس بھی نکل گئی۔



”میرا خیال تھا تم پھر غصہ کرو گی کہ میں کیوں آگیا۔“ گاڑی چلاتے ہوئے آفاق نے اسے دیکھا۔

”مجھے پتا تھا غصہ کرنے کا فائدہ کوئی نہیں۔“ اس کی بات پر وہ ہنس پڑی۔

”آج بہت خوش لگ رہی ہو کیا اس کی وجہ حبیب کی منگنی ہے؟“

”ایک وجہ یہ بھی ہے۔“ وہ مسکرائی۔

”اور دوسری؟“ وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ جو جواب دینے کی بجائے اپنے دوپٹے پر لگے موتیوں پر ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔

”آج میرا دل چاہ رہا ہے تمہیں اتنی دور لے جاؤں

جہاں کوئی نہ ہو۔" عیشہ نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔ جہاں شرارت بکھری تھی۔
 "ایسی جگہ اب تو کہیں نہیں۔" وہ بھی شرارت سے بولی۔

"ایک جگہ ہے جہاں صرف میری محبتیں ہیں چاہتیں ہیں تم ہو میں ہوں اور کوئی نہیں وہاں چلو گی؟" آفاق کے گیسپر بچے پر اس کا چہرہ رنگ بدلنے لگا۔
 "آپ لے جا میں گے تو ضرور چلوں گی۔" اس کے کہنے کی دیر تھی گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ آفاق نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جہاں صرف اس کا عکس تھا۔
 "آج وہ اسے حیران کرنے پر تلی ہوئی تھی۔
 "کبھی کبھی میں تمہیں سمجھ نہیں پاتا۔" آفاق کے لہجے میں الجھن محسوس کر کے وہ زور سے ہنس پڑی۔
 "گاڑی چلا میں۔" اسے گھورنا دیکھ کر اس نے بمشکل اپنی ہنسی کو قابو میں کیا۔ تو وہ مسکراتا ہوا گاڑی اشارت کرنے لگا۔

"ارے۔" زریں نے خوشگوار حیرت سے اس کے بچے ہوئے روپ کو دیکھا۔
 "اکیلی آئی ہو؟" انہوں نے اسے ساتھ لپٹاتے ہوئے پوچھا۔

"آفاق کے ساتھ آئی ہوں۔"
 "کہاں ہے وہ؟" انہوں نے اس کے پیچھے دیکھا۔
 "کہہ رہے تھے ابھی آتا ہوں۔"
 "اچھا ہوا تم لوگ آگئے" میں اپنے کمرے میں جانے والی تھی یہ پیرز حسن دے کر گیا ہے۔ آفاق کو دے دینا۔" اس نے مسکراتے ہوئے وہ کاغذ تھام لیے۔
 "تمہارے ڈرامے کی ابھی کتنی قسطیں باقی ہیں؟"
 "صومیہ کی تلخ آواز پر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے اس کے قدم رُک گئے۔ وہ ماتھے پر شکنیں لیے اس کی طرف مڑی۔
 "یہ روپ بھی تم نے میرے بھائی کو تکلیف دینے کے لیے بھرا ہو گا۔" صومیہ نے اس کے چہرے اور کمپوز کی طرف اشارہ کیا۔

وہ کتنی تھری ہوئی تھی وہ اپنے کمرے میں آئی اور ایک غلطی کی تھی تم بار بار غلطی کر رہی ہو۔
 وہ راتوں میں یہ سوچ کر کوئی دوسرا لڑکا نہیں ملا کرتی تھی وہ غصے سے پٹی۔
 وہ راتوں میں غصے کی آواز سن کر کھڑکی پر جھٹکتی۔ وہ تم

چاہتی تھیں وہ سب ہو رہا ہے۔ یہ جو کاغذ ہیں مانتھارے
ہاتھ میں۔ جانتی ہو کسی چیز کے ہیں۔ "عیشہ نے حیرت
سے ان کاغذات کو دیکھا۔

"بھائی نے فیکٹری اور فلیٹ، جو ان کا تھا تمہارے نام
کر دیا ہے۔" عیشہ کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"میں نہیں جانتی اس دن بھائی نے میری بات سن لی
تھی۔ یا تم نے میری شکایت کی، لیکن اس سب کے پیچھے
کوئی وجہ تو ضرور ہے۔ اب اور کیا باقی ہے۔ عیشہ امیرے
بھائی کو مجھ سے دور کر دیا تم نے۔ آج پہلی بار بھائی کو
تمہاری وجہ سے میری برتھ ڈے یاد نہیں رہی۔ کیونکہ ان
کو بس یہی یاد تھا کہ "میں لینے جاتا ہے۔" وہ اب رو رہی
تھی۔

"تم بہت مہنگی ہو۔ میں نے تمہارا منگیتر چھینا تھا۔ یقین
کرو، مجھے تم اس کی بہت بڑی سزا دے چکی ہو۔ میں تو اس
گھڑی کو پچھتا رہی ہوں، جب میں نے وہاں کو دیکھا تھا۔
میرا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں میں نے صومیہ ایک دم
ساکت ہو گئی۔ خاموش گھڑی عیشہ کو کسی انرونی کا
احساس ہوا تھا اس نے مڑ کر دیکھا تو پیچھے ساکت گھڑے
اتفاق کو دیکھ کر وہ سن سی رہ گئی۔

حقیقت بہت غلط وقت پر سامنے آئی تھی۔ جب سب
ٹھیک ہو رہا تھا۔ ان تینوں میں سب سے پہلی حرکت اتفاق
میں پیدا ہوئی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑاؤ بہ صومیہ کی طرف بڑھا دیا۔
"سالگرہ مبارک ہو۔"

صومیہ کے سر جھکانے پر اس نے ذہن صومے پر رکھ دیا۔
اس کے مڑتے ہی عیشہ کی جھلی نظریں بے اختیار صومیہ
کی طرف اٹھیں۔ وہ برستی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی
تھی۔ وہ تیزی اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں
ہاتھوں میں سر جھکانے بیٹھا تھا۔ اس کے دل کو پتہ ہوا۔

وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی، اس کی
ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اسے مخاطب کرے۔ اسے گھڑا
دیکھ کر اتفاق نے خود ہی سراٹھایا۔ اس کی نظریں میں آج
بھی اس کے لیے نفرت یا ناراضی نہیں تھی۔ کچھ ایسا
نہیں تھا کہ اس کی نظریں جھلکیں۔

"عیشہ نے جھجھکنے سے ان کاغذات اس کی
طرف سے لے لیے۔ "اب ایک نظر اسے دلو۔"
"تمہارے لیے نہیں رکھا۔"

کر سوا کل پر نمبر اٹل کرنے لگا۔
"آپ کچھ نہیں کے نہیں؟"

"کیا کہوں۔" وہ اتنا اسی سے پوچھنے لگا۔ پھر اس کی
آنکھوں میں پانی بھر آؤ لکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بس اتنا کہوں گا کہ جو میں نے سنا اس کو سن کر مجھے
بہت دکھ ہوا۔ میں سوچ رہا ہوں، میری اتنی محبت تم پر اسی
لیے اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ اسی لیے تمہاری
آنکھوں میں مجھے محبت کی جگہ کوئی اور رنگ نظر آتا تھا۔
آج پتہ چلا تمہاری آنکھوں میں وہ احساس نفرت کا تھا اور
یہ سوچ کر مجھے پہلی بار خود سے نفرت ہو رہی ہے۔"

عیشہ نے ہونٹ بھیج کر اپنی سسکی کو روکا۔ وہ مزید
بات کیے بغیر باہر نکل گیا۔ جب تک وہ کتنی دیر تک یونسی
گھڑی رہی۔

"میں محبت کرتی ہوں آپ سے اتفاق! بہت زیادہ۔"
کچھ دیر بعد وہ دھیمی آواز میں بولی۔ لیکن سننے والا جاچکا
تھا۔ وہ بے دم ہو کر صومے پر بیٹھ گئی۔

"اب کیا ہو گا۔ کیا اتفاق مجھے چھوڑ دے گا۔" اس
خیال نے اس کے اندر باہر پھیل پھادی۔

"میں نہیں رہ سکتی آپ کے بغیر۔" وہ دونوں ہاتھوں
میں چہرہ چھپائے رونے لگی۔



صبح جب اس کی آنکھ کھلی اس نے بے ساختہ بستر کی
طرف دیکھا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ لیکن بستر کی شکنیں اور اس
پر پھیلا ہوا کپڑا ظاہر کر رہے تھے وہ کمرے میں آیا تھا وہ
ٹیلیفون پر تیزی سے باہر نکلی۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا مگر
کہ چن میں بھی سنا تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا
جہاں صبح کے سات بج رہے تھے۔ سارا گھر دیکھنے کے بعد
جب وہ اسے نہ ملا تو اس کی پریشانی میں حد درجہ اضافہ
ہو گیا۔ وہ پوری صبح کی طرف آئی مگر ساری گاڑیاں موجود
تھیں۔ جب ہی لان کے آخری سرے پر اسے کسی کی
موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ اس طرف بڑھنے لگی۔

"مجھے معاف کر دیں بھائی! میں جانتی ہوں۔ مجھ سے
غلطی ہوئی ہے۔" صومیہ کی بھرائی ہوئی آواز پر وہ رُک
گئی۔

"یہ غلطی نہیں صومیہ! کتنا ہے۔" اتفاق کی مجیدہ آواز
پر اس نے دھار سے نیک لگا ل۔

”لیکن بھائی عیشہ نے بھی تو غلط کیا ہے۔“

”وہ صرف تمہارے عمل کا رد عمل تھا۔“

”آپ مجھے غلط کہہ رہے ہیں؟“ وہ اب زور زور سے رونے لگی تھی۔

”صومیہ! رونا بند کرو۔ تم جانتی ہو تمہارے رونے سے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔“

”اور آپ بھی جانتے ہیں کہ میں آپ کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتی۔ ساری رات میں ایک منٹ کے لیے نہیں سو سکی۔ میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں آپ کو اب کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ بس آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں عیشہ سے بھی معافی مانگ لوں گی۔“

”میں تم سے ناراض تھا لیکن اب نہیں کیونکہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔“ عیشہ نے تھوڑا بھانک کر دیکھا وہ اسے ساتھ لپٹانے اس کا سر تھیک رہا تھا۔

”آپ عیشہ سے بھی ناراض ہیں؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“ صومیہ نے حیرت سے سراٹھایا۔

”پتا نہیں۔“ عیشہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی۔ لیکن اس کے لیے کی بے بسی اس نے واضح طور پر محسوس کی تھی۔ ”وہ گہرا سانس لے کر پیچھے ہٹی۔“

”میں عیشہ سے بہت پیار کرتا ہوں صومیہ! آئندہ اسے ہرٹ کرنے سے پہلے ایک بار یہ ضرور سوچ لینا کہ تمہارے بھائی کے جینے کی وجہ ہے وہ۔“ وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن مزید سننا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس نے ہزار بار خود کو ملامت کی۔ اس نے کیسے اس شخص کی محبت کو کمزور سمجھ لیا کیسے؟



جب وہ اندر داخل ہوا تو وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے انہیں دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پر اس نے سراٹھایا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اتفاق کے ال کو کچھ ہوا وہ اس کی طرف بڑھا لیکن وہ اسے بات کرنے کا موقع دینے لگا۔

”میں جانتی ہوں تم صومیہ کی وجہ سے بہت تنہا ہو گئی ہو۔“

لیکن اسے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ کیا تم اسے معاف کر دو گی۔ میری خاطر؟“ اتفاق اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ تم اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں صومیہ سے ناراض نہیں ہوں۔“ وہ جواب دے کر باہر نکل آئی۔ جب کہ وہ اس سے تھا تھی۔

”صومیہ سے پیار تھا۔ اسے ڈانٹا بھی ناراض بھی ہوئے جب کہ مجھ سے کچھ پوچھائی نہیں۔ معافی بھی مانگنے کا موقع نہیں دیا۔“ اپنے دل میں چور تھا اس لیے ہر بات اسے بری لگ رہی تھی۔ اتفاق کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے سلیم کو ناشتا گانے کو کہا۔

”تم کہاں جا رہی ہو ناشتا۔“ اتفاق نے حیرت سے اسے باہر نکلنے دیکھا۔

”میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ صومیہ نے بے ساختہ اپنے بھائی کو دیکھا جس کا چہرہ بچہ لیا تھا۔

”بھائی ناشتا!“ اسے اٹھتا دیکھ کر وہ بولی۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ اسے باہر نکلتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

دستک پر اس نے مڑ کر دیکھا جہاں دروازے پر صومیہ کھڑی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس کے مقابل آگئی۔ ”میرا جانتی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ

سکی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو (سائیکالوجی)

شائع ہو گیا ہے

خوبصورت سرورق، آئسٹ چھپانے، مضبوط جلد،

قیمت 600 روپے

پتا ذیل سے خریدیں

● مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی

● احمد نیوز ایجنسی، فریئر مارکیٹ کراچی

● سلطان نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ لاہور

● اشرف ایک ایجنسی، داؤد پندی، عمران نیوز ایجنسی، حیدر آباد

● جدید ڈاک ٹرانزٹ مکتبہ عمران ڈائجسٹ کراچی

ہوں عیشہ! میں نے تمہارا دل دکھایا ہے۔ میں نے غلطی کی لیکن میری غلطی کی سزا میرے بھائی کو تو نہ دو۔ وہ تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔

پلیز عیشہ! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" صومیہ کے ہاتھ جوڑنے پر اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھامے۔

"میں تم سے ناراض نہیں صومیہ! کیونکہ تم اتفاق کی بہن ہو اور اتفاق سے جڑے ہر رشتے کی میں عزت کرتی ہوں۔"

"صرف عزت کی خاطر معاف کر رہی ہو؟" اس کی کھوجتی نظریں محسوس کر کے وہ بے اختیار مسکرائی۔

"نہیں اس محبت کی خاطر معاف کر رہی ہوں جو مجھے اتفاق سے ہے۔ میں تو نفرت لے کر آئی تھی لیکن تمہارے بھائی تو سرِ پیا محبت ہیں۔ پھر ان کے ساتھ رہ کر کوئی کیسے ان سے نفرت کر سکتا ہے۔" صومیہ کتنی ہی دیر اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔

"تم بہت اچھی ہو عیشہ! میں وعدہ کرتی ہوں آئندہ تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" وہ ایک دم اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"تم بھی مجھے معاف کرو صومیہ!" عیشہ نے بھی اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تھا۔



لاؤنج کے دروازے تک پہنچ کر وہ رک گئی تھی۔ جب کہ نظریں گیٹ کے پاس کھڑی صومیہ اور ذریں پر ٹھیں جو حسن کی فیملی کو ہی آف کر رہے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کب اور کیسے صومیہ اور دیاب ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور کیسے ان دونوں کے راستے الگ ہوئے۔ حالانکہ وہ شروع سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ لیکن چلے۔ کیونکہ ان دونوں کے چلنے سے اتفاق اور اس کے راستے ایک ہونے تھے۔ اس نے صومیہ سے پوچھا تھا کہ اس نے دیاب کو کیوں چھوڑا۔ تو اس نے کہا تھا کہ خوبصورتی سب کچھ نہیں ہوتی۔ دوستی کی حد تک وہاں پہنچنے والی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہاں کی وہ عادی ہے۔ وہاں وہ سب کچھ ایسے کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ وہاں سے بھی اس نے پوچھا تھا کہ اس نے کبھی اس سے بات کی کہ اس کے ہونٹ لنگھ سکتی ہے۔ وہ کبھی اس کی اور

کے ساتھ بھی جاسکتی ہے۔ جب کہ ذوی کے بارے میں اس کے خیالات بہت مختلف ہیں۔ وہ دونوں اپنے انکوں میں سمٹ گئے تھے۔ شاید نفس کا طوفان کتنی جلدی چڑھتا ہے۔ اتنی ہی جلدی اتر بھی جاتا ہے۔ اس نے سوچا اور پھر سر جھٹکتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

لی وی دیکھتے ہوئے وہ اتفاق کو سوچنے لگی۔ ساتھ ہی اسے اپنا صبح کا رویہ اور اتفاق کا اتر اہوا چھو یاد آیا تو وہ بے چین ہو گئی۔

"آج میں اتفاق کو بتا دوں گی کہ میں ان سے کتنا پیار کرتی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا چہرہ کشن پر نکال دیا۔ صومیہ گرنے والے انداز میں اس کے قریب صومیہ پر بیٹھی تو وہ ہڑبڑا کر رہ گئی۔

"بدتمیز۔" اس کے ڈرنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "ڈر گئیں؟"

"نہیں بڑا مزہ آیا۔" وہ منہ ہکاڑ کر بولی۔ تو صومیہ نے اسے ساتھ لپٹا لیا۔

اپنے کمرے میں جاتی ذریں ایک پل کو ننہک گئیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہنس رہی تھیں۔ ان کے اندر باہر سکون اترنے لگا وہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"عیشہ! تم نے مجھے معاف کر دیا نا!" صومیہ کے دروازے پر انداز پر اس نے بے اختیار دانت پیسے۔

"مجھ سے بیس بار تم مجھ سے پوچھ چکی ہو اور بار بار معافی مانگ کر کیوں مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔ اب خدا کا واسطہ ہے جنگ نہ کرو۔ مجھے پہلے ہی بہت غصہ آ رہا ہے۔"

"کس پر؟" صومیہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ "تمہارے بھائی پر۔"

"کیوں میرے بے چارے بھائی نے کیا کیا؟"

"ناگم دیکھ رہی ہو۔ ساڑھے دس بج رہے ہیں۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "فون کر کے پتا کر لو۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے؟" وہ لاپرواہی سے بولی۔ "کیا کہتے ہیں؟" صومیہ کے فون بند کرتے ہی اس نے بے اختیار پوچھا۔

"حسن بھائی کے ساتھ گئے ہیں۔" اور عیشہ کا مونہ آف ہونے لگا۔

"تمہیں نیند آرہی ہے۔" اسے جمائی روکنا دیکھ کر صومیہ نے غور سے اس کی سرخ آنکھیں دیکھیں۔
 "ہاں رات کو بھی ٹھیک طرح سے نہیں سوتی۔"
 "میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔" بالآخر رات گیارہ بجے وہ صومیہ سے کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔
 "خود کو سمجھتے کیا ہیں۔" صوفیہ نے تکیہ اٹھا کر بیدار بیٹھتے ہوئے وہ غصے سے بڑبڑائی۔ نیند میں گم ہونے سے پہلے وہ اس سے سخت ناراض تھی۔



"تم اب تک سوئیں نہیں۔" آفاق نے حیرت سے صومیہ کو دیکھا۔ اور پھر گھڑی کو جہاں ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔

"بس جا رہی تھی۔"

"عیشہ سو گئی؟"

"جی آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ بڑے غصے میں اندر گئی ہے۔" صومیہ کے شرارتی انداز پر وہ حیران ہوتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ لیکن اندر اس کی حیرت کچھ زیادہ گہری تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے پلکیں جھپکیں لیکن سامنے کے منظر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ چلتا ہوا بیدار کے قریب آیا۔ وہ خوابیدہ وجود واقعی ایک حقیقت تھا۔ لیکن بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ اسے جھجھوڑ کر اٹھارے اور پوچھے کیا میری سزا ختم ہوئی۔ اور واقعی اگلے بل اس نے اس کا کندھا زور سے ہلایا تھا۔ اس کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ آفاق کا چہرہ نظر آتے ہی اسے یاد آیا کہ وہ اس سے ناراض ہے۔ وہ جھٹکے سے اٹھی۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی آفاق نے اسے بازو سے تھام لیا۔

"سو رہی تھی دیر ہو گئی۔"

"اب بھی آنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس کی ناراضی آفاق نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔ اس کی اتنی قربت پر وہ گھبرا کر خود کو چھڑانے لگی۔

رہنما: "آفاق نے اسے گھیر لیا۔ وہ اس کی طرف سے بولی۔"

رہنما: "آفاق نے اسے گھیر لیا۔ وہ اس کی طرف سے بولی۔"

آپ نے اسے ڈانٹا ناراض ہوئے جبکہ مجھ سے۔ آپ کو مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔ اس کے روہانے لیے پر آفاق نے مسکراتے ہوئے اس کے بلعبرے بالوں کو مزید کھجیر دیا۔

"ہاں صومیہ کی غلطی پر میں ناراض ہوا تھا ڈانٹا بھی تھا۔ اصولاً مجھے تم سے بھی ناراض ہونا چاہیے تھا ڈانٹا چاہیے تھا اور میں نے ایسا کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن میں ایسا کر نہیں سکا۔ میں نے سنا تھا پیار اندھا ہونا ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے عیشہ تمہارے لیے میرا پیار واقعی اندھا ہے۔" اور وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ پیار اس کی اتنی شدید محبت اسے نے سر سے حیران کر لی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ ساری دنیا کو بتائے۔ میں عیشہ آفاق دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں کیونکہ میرے پاس آفاق تعلیم جیسا شخص ہے۔ اس کی محبت پر ان نظموں کا رنگ بدلنے لگا تو اس نے گھبرا کر نظریں ہٹا لیں۔

"بہت برا ہے آپ کا دل۔"

"میرے دل کو برا کہہ کر تم میری عیشہ کی شان میں گستاخی کر رہی ہو۔" وہ شوخی سے بولا۔
 "تمہارا دل برا ہے۔"

"جی نہیں میرا دل آپ کے دل سے زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس میں میرے آفاق رہتے ہیں۔" اور وہ کتنی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکا۔ وہ جانتا تھا محبت تو وہ اس سے کب سے کر رہی ہے لیکن آج اس کا اقرار اس کی روح تک کو سرشار کر گیا تھا۔
 "یہ تمہارے دل نے کیا کیا تم نے روکا نہیں تھا؟" اس کے لیے میں شرارت محسوس کر کے اس کا انداز بھی شرارتی ہو گیا۔

"میں نے تو دل کو روکا تھا لیکن آپ کے ساتھ رہ کر کافی خود سر ہو گیا تھا۔ میرے منع کرنے کے باوجود بھاگا بھاگا آپ کی طرف جاتا تھا۔" وہ مسکراہٹ بہاتے ہوئے بولی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

ار ان دونوں کے ساتھ کمرے کے دروازے پر بھی مسکراتے لگے۔

